



# ہندوستان

HaSnain Sialvi

# میں

## فارسی تاریخ نگاری

(۱۷ویں صدی کے آخری نصف سے ۱۸ویں صدی کے پہلے نصف تک)

فارسی تاریخ نگاری کا ارتقاء)

بین الاقوامی سیمینار اکتوبر ۲۰۰۷ء

بخش تاریخ و ثقافت

جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی نو

بہ تعاون

ایران کلچر ہاؤس اسلامی جمہوریہ ایران دہلی نو

و

انڈین کاؤنسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، دہلی نو

ایڈیٹر

پروفیسر شاہ محمد وسیم

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ  
۸۹۱۵۵۱۰۹۵۵  
ش ۱۱۸

|            |   |                                         |
|------------|---|-----------------------------------------|
| نام کتاب   | : | ہندوستان میں فارسی تاریخ نگاری          |
| منظم کردہ: | : | بخش تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی   |
| طابع       | : | کنشکا پبلیشرس، نئی دہلی                 |
| سن اشاعت   | : | ۲۰۰۲ء                                   |
| کتابت      | : | قاری محمد یاسین ۱۵۵۸۶                   |
| ترجمین کار | : | مجید احمدی و خانم عائشہ فوزیہ           |
| ناشر       | : | ایران کلچر ہاؤس ۱۸، تملک مارگ، نئی دہلی |

# فہرست

- ۱۔ پیش لفظ ۴
- ۲۔ تاریخ نگاری فارسی اور عہد عالمگیری ڈاکٹر عبداللطیف طالبی ۷
- ۳۔ اودھ میں عربی تاریخ نگاری: فارسی کے اثرات: ڈاکٹر شاہ عبدالسلام ۱۶
- ۴۔ بحیم سین نسخہ دلکشا ڈاکٹر محمد تعظیم ۲۸
- ۵۔ خلاصۃ التواریخ سبحان رائے ڈاکٹر علیم اشرف خاں ۵۱
- ۶۔ شہاب الدین طالش فتحیہ عبرتیہ ڈاکٹر فیضان احمد اعظمی ۶۳
- ۷۔ بختاور خاں مرآۃ العالم علاء الدین خاں ۷۰
- ۸۔ ارادت خاں: ایک مطالعہ ڈاکٹر محمد اسحاق ۸۹
- ۹۔ مآثر عالمگیری: ایک تعارف ڈاکٹر نور الاسلام صدیقی ۹۸
- ۱۰۔ انڈکس: ۱۰۶

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے  
ہیں مزید اس طرح کی شاندار،  
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے  
ہمارے ویس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پیسل

عبداللہ عتیق : 03478848884

سدرہ طاہر : 03340120123

حسنین سیالوی : 03056406067

## پیش لفظ

فارسی اور عربی تاریخ نگاری، ان کے عوامل اور اسلوب سے قطع نظر یہ بات تو مسلم ہے کہ ”علوم و فنون اپنی ہیئت اور رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ کل تاریخ صرف درباروں، حکمرانوں، شہزادوں کے حالات اور ان کے احکام و ارشادات کو قلم بند کرنے، ان کے خیالات و افکار اور شاہی منصوبوں اور ان کی تفصیلات کو یکجا کرنے اور جنگوں اور صلح کے معاہدوں کے تاریخوار بیان کا نام تھا۔ مگر وقت بدلتا رہا، اقدار اعلیٰ مقرر ہوتے رہے، سماجی، اقتصادی اور سیاسی ڈھانچہ نظریات کے ساتھ ساتھ بدلتا رہا اور اب تاریخ حیات انسانی کے رنگارنگ احساسات، اقدامات، سر بلندی و سرفرازی، فتوحات، بربریت، شکست و صلح، دکھ درد اور انسانیت کی ارتقاء، ایجادات اور موجودات کو خود اصولوں کی زریں راہ گزاروں سے استقامت اور سر بلندی کے ساتھ گزر جانے اور گزارنے کا نام بھی ہے۔ سرسید کہا کرتے تھے کہ ’عالمی تاریخ کا علم بہت سے نازک مراحل کا رخ موڑ سکتا ہے‘۔ وہ خود تاریخ کو انسان کی حاصل شدہ کامیابیوں اور ناکامیوں کی تفصیل کی طرح دیکھنے کے قائل تھے۔ ان کے خیال میں یہی بات ہمیں غلطیاں کرنے اور ٹھوکریں کھانے سے بچا سکتی ہے‘ [ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب سرسید: معاشی افکار اور ترقیاتی منصوبے، صفحہ ۲۵]

فن تاریخ نگاری، ثقافت اور روایات کی شناخت اور پرکھ، اس کی نہج اور عوامل، جغرافیائی، معاشرتی، سماجی اور اقتصادی حدود میں اپنی پہچان آپ رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اگر تاریخ نویسی درباروں، حکومتوں اور فرمانرواؤں اور شہزادوں کے زیر اثر آجائے تو حقائق الفاظ کے پردوں میں چھپ کر رہ جاتے ہیں۔ مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو ان سب سے کنارہ کش ہو کر دور افتادہ مقامات یا گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے اپنی بساط اور قوت ارادی کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے حتی المقدور ہر طرح کے اثرات سے بچتے بچاتے اور خطرات سے بے

پرواہ، تاریخ نگاری میں لگ جاتے ہیں تاکہ حقائق اجاگر ہوں اور واقعات، ان کے عوامل اور اثرات اور شخصیتوں کو اس طرح صفحہ قرطاس پر جگہ دی جائے کہ حق حقدار تک پہنچے، کسی کی حق تلفی نہ ہو اور قاری کہہ اٹھے کہ ہر ایک بات صحیح ہے، بیان غیر جانبدارانہ ہے اور حقائق پر پردے نہیں ڈالے گئے ہیں۔

یونانی دانشوروں کے مقرر کردہ تاریخ نگاری کے اصول دوسری صدی تک قائم و دائم رہے جسے یورپ کا کلاسیکی دور تاریخ نگاری کہا جاتا ہے جس میں وہ واقعات بیان ہوتے تھے جنہیں محفوظ کرنا اس لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے اہم ہوتے تھے، لیکن ان کے عوامل کا عام طور سے پتہ نہیں لگایا جاتا تھا۔ بعد ازاں آگے آیا اور اب یہی لوگ واقعات [Chronicles] لکھنے لگے۔ لیکن اس طرح کی تاریخ فنی مہارت کی عدم موجودگی کا شکار ٹھہرائی گئی [ملاحظہ ہو Maurice Mandelbaum, Objectivism in History, New York, 1963.] مگر اس کے باوجود اس طرح کی تاریخ نگاری نشاۃ ثانیہ کے آغاز تک چلتی رہی۔ اس کے بعد تاریخ نگاری نئے تجربات اور نئے تجسس کے ساتھ سائنسی اور فنی مہارت کی روشنی میں عادلانہ اور غیر جانبدارانہ شاہراہوں پر گامزن ہوئی۔ ۱۶ویں، ۱۷ویں اور ۱۸ویں صدی نے بھی اپنے فکر و فن کی روشنی میں تاریخ نگاری کے نئے طریقہ کار کو اپنایا۔ اپنے تجربات، ابھرتے، ڈوبتے اور بدلتے ہوئے خیالات کے زیر اثر مغربی دنیا بھی بدلی اور اس کا مغربی فن تاریخ نگاری بھی۔ سولہویں صدی کے سیاسی مفکر مکاوولی (Machiavelli) کی Prince (پرنس) اور انگلستان میں فرینس بیکن (Francis Bacon) نے تاریخ میں نئے طریقہ کار اور نئی نہج کو عام کیا۔ ۱۷ویں صدی میں فرانسیسی تاریخ دانوں نے Palaeography اور Archeology کے واسطے سے نئے نئے اصول مرتب کئے اور اس طرح تاریخ نگاری اور تاریخ کو نئی ہیئت اور اہمیت عطا کی۔ Voltaire نے معاشرہ اور اس کی تاریخ کو سماجی، ثقافتی عوامل کی روشنی میں اور Adam Smith نے معاشرہ کو معاشی زاویہ سے دیکھا اور پرکھا۔ John Miller نے مارکسی طریقہ کار کے جھروکوں سے تاریخ اور تاریخ نگاری کو روشناس کروایا۔ Herder نے کہا کہ

تاریخداں کو اپنے آپ کو شامل شخص، سمجھنا چاہئے اور واقعات کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے تاریخی پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ Barthold George Niebuhr نے Philology سے منسلک طریقہ کار کو بیان کیا اور مواد پر ناقدانہ نظر رکھنے کی وکالت کی۔ Ranke (۱۷۹۸-۱۸۸۶ء) نے Objective History کے طریقہ کار کو یہ کہہ کر واضح کیا کہ رونما ہونے والے واقعات پر بجائے فیصلہ سنانے یا رائے زنی کرنے کے عوامل اور وجوہات کو بتانا چاہئے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کوئی واقعہ کیوں ظہور پذیر ہوا؟

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں فن تاریخ نگاری کو چاہے وہ فارسی فن تاریخ نگاری ہو یا عربی، سمجھ کر حقیقت پسندانہ تشریح اور تفصیلات پر نظر رکھتے ہوئے، صدق و صفا سے کام لیتے ہوئے تہذیبوں کے سفر میں انسانوں کی ترقی اور تنزلی کا تعین کرنا چاہئے۔ اور واقعات، عوامل اور رجحانات کو اصولوں کی زریں کسوٹی پر پرکھنا بھی چاہئے تاکہ تاریخ کی وساطت سے ہر دور کے انسان اور اس کے معاشرہ کی فکری صلاحیت اور اس کی ترقی اور تنزلی کی اصل وجوہات کا پتہ لگا کر مستقبل کا سفر جاری رکھا جائے۔ اور اس طرح بدلتے ہوئے اقدار اعلیٰ اور عدل پر مبنی اصولوں کے زیر اثر فیصلوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر فرد و معاشرے کو اس کا حق دلوادیا جائے تاکہ خود انسان سر بلند ہو اور انسانیت سرخرو۔

۷۰ اور ۸۰ ویں صدی میں فارسی فن تاریخ نگاری پر منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار میں پیش کئے گئے مقالات کا یہ مجموعہ امید ہے کہ قارئین کو پسند آئے گا۔ اس سیمینار کا انعقاد شعبہ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ، خانہ فرہنگ اسلامی جمہوری ایران، دہلی اور انڈین کاؤنسل آف ہسٹاریکل ریسرچ کے تعاون سے ۲۹ ستمبر سے ۱ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو کیا گیا تھا۔

میں عالی جناب عیسیٰ رضا زادہ، کلچرل کاؤنسلر، خانہ فرہنگ ایران، نئی دہلی، جناب محمد حسن مظفری ڈائریکٹر، خانہ فرہنگ ایران، نئی دہلی، اور پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین صدر شعبہ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس مجموعہ کا مدیر منتخب کیا۔ امید ہے کہ یہ مجموعہ طلباء اور محققین کے لئے کارآمد ثابت ہوگا۔

پروفیسر شاہ محمد وسیم

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

# تاریخ نگاری فارسی اور عہد عالمگیری

ڈاکٹر عبداللطیف طالبی

شاہان مغلیہ کے عہد میں تاریخ نگاری کو بشمول زبان فارسی عروج حاصل ہوا۔ جس کی خاص وجہ ان فرما روایان کی ذاتی دلچسپی اور تاریخ نگاروں کی سرپرستی تھی۔ مغل شہنشاہوں میں سے ایک ممتاز فرمانروا اور نگزیب عالمگیر گزرا ہے کہ جس نے اپنے پچاس سالہ دور حکومت (۱۰۶۸-۱۱۱۸ ہجری) میں گزشتہ اسلاف کی مانند تاریخ و تاریخ نگاری سے کسی خاص شغف کا مظاہرہ نہ کیا، تاہم شاہزادگان و امراء سلطنت کی تائید اور دلچسپی کی وجہ سے نہ صرف فارسی زبان میں تاریخ نویسی کا سلسلہ جاری رہا بلکہ اس عہد میں اس فن کو نمایاں ترقی حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں مستند اور معتبر تاریخی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ آج ہمارے کتب خانوں کی زینت ہے چنانچہ ہندوستانی تاریخ نگاری کے میدان میں یہ پچاس سالہ دور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ تاریخ نگاری کے اس فن نے ہندوستانی مورخین میں رواج پا کر نمایاں ترقی حاصل کی۔ اس عہد کی ممتاز شخصیات اور مشہور و معروف و بزرگ مورخین میں محمد کاظم مؤلف عالمگیر نامہ، بختاور خان مؤلف مرآۃ العالم، مستعد خان مؤلف مآثر عالمگیر، خواصی خان مؤلف منتخب اللباب، محمد صالح کنبہ مؤلف عمل صالح یا شاہجہان نامہ، عاقل خان رازی مؤلف واقعات عالمگیری، سبحان رائے مؤلف خلاصۃ التواریخ و نور الدین معروف بہ نعمت خان عالی مؤلف وقایع نعمت خان عالی وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

اس عہد کی تاریخ نگاری کو سمجھنے کے لئے مؤرخین اس پورے دور کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: اول وہ مؤرخین جن کا شمار بظاہر عہد عالمگیری میں ہوتا ہے لیکن ان کا تعلق درحقیقت گزشتہ مغل حکمران شاہجہاں کے دور سے رہا، مثال کے طور پر محمد صالح کنبہ مؤلف شاہجہاں نامہ، شیخ عنایت اللہ مؤلف تاریخ دلکشا، صادق خاں مؤلف تاریخ شاہجہانی، میر محمد معصوم مؤلف شاہ شجاعی، احمد بیگ اصفہانی مؤلف طراز الاخبار وغیرہ۔

دوسرا گروپ بقول مؤرخین ان تاریخ نگاروں کا ہے جنہوں نے اپنی گرانقدر تالیفات سے اس عالمگیری عہد کو یادگار بنادیا۔ ان میں سرفہرست محمد کاظم مؤلف عالمگیر نامہ، بختاور خاں مؤلف مرآۃ العالم، عاقل خاں رازی مؤلف واقعات عالمگیری، شہاب الدین طالش مؤلف تاریخ آشام، ایشورداس مؤلف فتوحات عالمگیری، بندرا بن مؤلف لب التواریخ، سبحان رائے مؤلف خلاصۃ التواریخ، شیخ بقا، سہارنپوری مؤلف مرآۃ جہاں نما، نعمت خاں عالی مؤلف وقائع وغیرہ، اس کے علاوہ کتنی ہی بستیاں ہیں جن کا شمار اس گروہ میں آتا ہے۔

تیسرا گروپ ان مؤرخین یا مؤلفین کا ہے جن کی تربیت کا بطور خاص اہتمام کیا گیا تاکہ ان کے گرانقدر آثار آئندہ نسلوں کے لئے کھلا آئینہ ثابت ہوں۔ چنانچہ اس ضمن میں اہم ترین شخصیات محمد ساقی مستعد خاں مؤلف مآثر عالمگیری، خانی خان مؤلف منتخب اللباب، بحیم سین مؤلف نسخہ دلکشا، جگجیون داس مؤلف منتخب التواریخ وغیرہ کے نام شامل فہرست کئے جاسکتے ہیں جن کی تالیفات نے تاریخ نگاری کے اس فن کو بلند مرتبہ عطا کیا۔ اس ضمن میں ہندو مؤرخین اور ان کی بے بہا تالیفات بھی کم اہمیت کی حامل نہیں۔ سبک و نگارش کے لحاظ سے ان حضرات کی تصنیفات بھی اس عہد کا عمدہ نمونہ قرار دی گئی ہیں۔ ان میں بنولی داس مؤلف راجا ولی، بھگونت داس مؤلف شاہجہاں نامہ، ایشورداس مؤلف فتوحات عالمگیری، رائے بندرا بن مؤلف لب التواریخ، سبحان رائے مؤلف خلاصۃ التواریخ، بحیم سین مؤلف نسخہ دلکشا و جگجیون داس مؤلف منتخب التواریخ وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

دور عالمگیری میں ایک بڑی تعداد ان مؤرخین و مؤلفین کی بھی ہے جن کا تعلق ایران سے تھا، مثال کے طور پر صادق خان یزدی مؤلف تواریخ شاہجہانی، احمد بیگ اصفہانی مؤلف طراز الاخبار، ملاصفی قزوینی مؤلف تحفۃ الاخبار یا قصۃ سلاطین متقدمین، سلمان قزوینی مؤلف جواہر التواریخ، محمد یافعی مؤلف جامع مفیدی، محمد کاظم شوشتری مؤلف احسن السیر، بہشتی شیرازی مؤلف آشوب ہندوستان، حقیری کاشانی مؤلف اورنگزیب نامہ وغیرہ۔ چونکہ اس مقالہ کا موضوع ”عہد عالمگیری میں تاریخ نگاری“ ہے لہذا یہ بات ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس عہد کی چند اہم تاریخی تصنیفات کا مفصل جائزہ لیا جائے۔

۱۔ تاریخ شاہجہانی : تاریخ شاہجہانی، شاہجہاں نامہ اور پادشاہ نامہ کے نام سے بھی معروف ہے۔ محمد صادق خان یزدی نے تقریباً ۱۰۶۸ھ ہجری میں اسے لکھا۔ یہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شاہجہانی عہد کی تاریخ ہے جو کہ ایک مقدمہ، متن اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کا متن شاہجہاں کی تخت نشینی

(۱۰۳۸ ہجری) سے ۱۰۶۸ ہجری تک کے ۳۱ سالہ دور کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔ 'خاتمہ' میں عہد شاہجہانی کی چند اہم سیاسی شخصیات کا ایک مختصر تذکرہ بھی شامل ہے۔ زبان نہایت ہی سادہ و رواں ہے۔ پر تصنع عبارات سے مؤرخ نے اکثر جگہوں پر گریز کیا ہے۔

۲۔ عمل صالح یا شاہجہاں نامہ: یہ تاریخی کتاب بھی عہد عالمگیری کی ایک نہایت اہم تالیف ہے۔ معروف ترین مؤرخ محمد صالح کنہوہ لاہوری نے اسے ۱۰۷۰ ہجری میں لکھا، جس کی تفصیلی شرح کچھ اس طرح ہے: اول مقدمہ میں شاہجہاں کی پیدائش، اسلاف کا مختصر تاریخی جائزہ یعنی نور الدین جہانگیر سے لے کر تیمور کی پیدائش نیز احوال شاہزادگی شاہجہاں وغیرہ کے دور کے تاریخی حالات قلمبند کیے ہیں۔ مقدمہ کے بعد اصل تاریخ شاہجہاں کے ۳۱ سالہ دور حکومت کا مکمل احاطہ ہے یعنی تخت نشینی سے لے کر انکے بیٹے اورنگزیب کے برسر اقتدار آنے تک۔ آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے، جس میں شاہجہاں کی تخت شاہی سے کنارہ کشی سے لے کر اس کی وفات تک کے مختصر حالات (۱۰۶۸ تا ۱۰۷۰ ہجری) پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد خاتمہ ہے جس میں اس عہد کے علماء و مشائخ، سادات و ادباء شعراء و طبیبان، امراء و نویسندگان وغیرہ کا ذکر ہے۔ جن کے علوم و فنون نے اس عہد کو ایک درخشان عہد بنا دیا۔

عہد عالمگیری کی تاریخی تصنیفات میں دو خاص سبک کا رفرمانظر آتے ہیں: ایک تو وہ جنکی عباراتیں نہایت ہی پر تکلف و پر تصنع ہیں اور دوسرا وہ سبک جو بے حد سادہ و رواں ہے۔ عمل صالح کا مؤلف، مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معروف تصنیف کار بھی رہا ہے جس کی شہادت خود اسکی بیش بہا تالیفات ہیں۔ مختصر یہ کہ عمل صالح یا شاہجہاں نامہ، محمد صالح کنہوہ کی ایک جامع اور مستند تصنیف ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی تاریخ نگاری کا ایک عمدہ شاہکار ہے۔

۳۔ تاریخ شجاع شاہی: تاریخ شجاع شاہی ۱۰۷۰ ہجری میں لکھی گئی جس کے مؤلف میر محمد معصوم ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ تاریخ شاہ شجاع کے مفصل حالات کا ایک جامع تذکرہ ہے جس میں شاہ شجاع کے احوال، اس کے بھائیوں کا تذکرہ، اقتدار حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائیوں دارا شکوہ، اورنگزیب اور مراد بخش وغیرہ سے جنگیں و باہمی رنجش نیز جانشینی کے مسائل وغیرہ کو قلمبند کیا گیا ہے۔ غرض کہ بہت سے ایسے تاریخی واقعات جو تاہنوز تحریر میں نہیں آئے تھے، انہیں اس تصنیف میں یکجا کیا گیا ہے۔

۴۔ واقعات عالمگیری: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، عہد عالمگیری کی ایک معروف تاریخ ہے۔

۱۷۳۵ء ہجری میں یہ جامع تالیف اورنگزیب کے دوستوں میں سے ایک عاقل خان رازی اورنگ آبادی کی ہے جس میں اورنگزیب عالمگیر کے عہد کے تمام حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ عاقل خان کا شمار اورنگزیب کے مقررین خاص میں ہوتا تھا۔ یہ نہ صرف ایک مؤرخ تھا بلکہ اس کا شمار اورنگزیب کے عہد کے بلند پایہ ادباء و شعراء میں کیا جاتا تھا۔ اپنے مرشد ”برہان الدین راز الہی“ کی مناسبت سے عاقل خان نے ”رازی“ تخلص اختیار کیا۔ ان تمام صفات کی بناء پر ”واقعات عالمگیری“ کا شمار نہ صرف ایک تاریخ کی حیثیت سے ہوتا ہے بلکہ ادبی نقطہ نگاہ سے بھی یہ کتاب ایک پرارزش نسخہ ہے۔ مؤلف نے بغیر کسی پردہ پوشی کے اس کتاب میں صرف ان ہی واقعات کو شامل کیا ہے جن کے متعلق مستند شہادتیں ملتی رہیں۔ غرض کہ یہ ایک مستند تاریخی نسخہ ہے جس میں شاہجہانی دور کے آخری سالوں (۱۰۶۸ھ - ۱۰۶۸ھ ہجری) سے لے کر عہد عالمگیری کے ابتدائی پانچ سالوں (۱۰۶۸ھ - ۱۰۷۳ھ ہجری) کے تمام حالات و واقعات کو کہ جنہیں عہد گورگانیاں کا تاریک ترین دور بھی کہا جاتا ہے، بے حد روانی کے ساتھ سلسلہ وار پیش کر دیا ہے۔

۵۔ تاریخ آشام یا فتحیہ عبرتیہ: تاریخ آشام یا فتحیہ عبرتیہ ایک مقدمہ، دو مقالہ اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے اس کے مؤلف ابن محمد ولی احمد ملقب بہ شہاب الدین طالش ہیں جنہوں نے ۱۰۷۳ھ ہجری میں اس تاریخ کو لکھا۔ کہتے ہیں کہ مغلیہ عہد میں آشام یا آسام مشرقی بنگال کی جانب پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جسے ایک راجہ نے اپنے تصرف میں کر رکھا تھا۔ ۱۰۷۴ھ ہجری میں یہ علاقہ بھی گورکانی حکمران عالمگیر کی سیاسی حکمت عملی کے تحت مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اس سلسلہ کی تمام تر تفصیلات ”فتحیہ عبرتیہ یا تاریخ آشام“ میں موجود ہیں کہ کس طرح عالمگیری فوجوں نے لشکر کشی کی اور فتح یاب ہوئے۔ مجموعی طور پر یہ تاریخ اورنگزیب کے عہد میں بنگال کے سیاسی و جغرافیائی تمام تر حالات کا مکمل احاطہ کرتی ہے کہ کس طرح اورنگزیب نے کوچ بہار، آسام و اراکان وغیرہ پر اپنی فوجیں بھیجیں اور وہاں کے مقامی و سیاسی ڈھانچے کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

۶۔ عالمگیر نامہ: یہ معروف تاریخ خاص طور پر اورنگزیب کے عہد سے متعلق ہے۔ اس کے مؤلف ممتاز مؤرخ منشی محمد کاظم نے ۱۷۵۸ء ہجری میں قلمبند کیا۔ عالمگیر نامہ دوسری عمومی تاریخی کتابوں کے برخلاف ایک نہایت ہی جامع اور مستند تاریخی نسخہ ہے جس میں عہد عالمگیری کے بہت سے مخفی پہلوؤں کا جائزہ شامل ہے، جیسا کہ خود مؤلف نے مقدمہ میں اس طرح اس کا ذکر کیا ہے:

”عالمگیر نامہ نخستین و درعین حال آخرین تاریخ رسمی عہد عالمگیر است و حاوی نخستین وہ سال سلطنت است کہ تحت نظر امرا تور عالمگیر نوشتہ شدہ است و از نیر و دارای اعتبار بسیار است“

۷۔ مرآۃ العالم: عہد عالمگیری کی ایک عمومی تاریخ ہے جس کا شمار اورنگزیب کے عہد کے تاریخی آثار میں بطور خاص کیا جاتا ہے۔ اس کے مؤلف اپنے عہد کے ممتاز مؤرخ اور عالمگیر کے ندیم خاص میں سے تھے جنہوں نے ۱۰۷۸ھ ہجری میں اس تاریخی دستاویز کو الفاظ کا جامع پہنایا۔ لیکن ان تمام شواہد کے باوجود مؤرخین میں اس کتاب کے مؤلف کے مطابق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بختاور خاں کی تصنیف ہے اور دیگر مؤرخین کی رائے میں یہ محمد بقاء سہارنپوری کی تالیف ہے۔ بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ۱۰۷۸ھ ہجری کی یہ تالیف عہد گورکانیان کی تاریخی کتابوں میں سے ایک عمدہ نمونہ قرار پاتی ہے۔ ابتداء میں مؤلف نے ایک مکمل فہرست پیش کی ہے ان تمام مطالب کی کہ جو آئندہ صفحات میں بیان کئے گئے ہیں۔ سوائے چند تاریخی کتابوں کے جیسے روضۃ الطاہرین، منتخب التواریخ خانی شیرازی وغیرہ کے اس قسم کے نمونے کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔

مرآۃ العالم ایک عمومی تاریخ ہے جو ابتداءً آفرینش سے لے کر عالمگیری عہد کے دسویں سال ۱۰۷۸ھ ہجری تک کے واقعات پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ کئی ایسے بھی واقعات ملتے ہیں جن کا سلسلہ ۱۰۹۶ھ ہجری یعنی مؤلف کے سال وفات تک پہنچتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان واقعات کو مستعد خاں، مؤلف مآثر عالمگیری کے شاگرد یا بیٹوں میں سے کسی نے اسے ترتیب دیکر اورنگزیب سے اس کی اشاعت کی اجازت لے لی ہو اور اس طرح ان تمام واقعات کو یکجا کر کے بترتیب تاریخ شائع کروادیا ہو۔

یہ جامع تاریخ ”حفت آرائش“ یعنی سات جلدوں پر مشتمل ہے جس کی سب سے اہم آرائش جلد ہفتم ہے جس میں اورنگزیب کے ابتدائی دس سالہ دور کی تاریخ (۱۰۶۸-۱۰۷۸ھ ہجری) بیان کی گئی ہے۔ مختصراً یہ کہ اس تاریخ کو ہم سیاسی، ادبی و فرائضی حیثیت سے ایک معتبر اور مستند تاریخ قرار دے سکتے ہیں۔

۸۔ فتوحات عالمگیری: عہد عالمگیری میں جیسا کہ ہم جانتے ہیں تاریخ نگاری کے فن کو نمایاں شہرت حاصل ہوئی نہ صرف مسلم بلکہ ہندو مؤرخین نے بھی اپنے کمال کے جوہر دکھائے ہیں۔ انہیں میں سے ایک ایشور داس ہیں جنہوں نے ۱۱۰۱ھ ہجری میں فتوحات عالمگیری کے نام سے یہ تاریخ مرتب کی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، اس تاریخی کتاب میں اورنگزیب کے عہد میں پیش آنے والے تمام سیاسی

واقعات کا مکمل جائزہ لیا گیا ہے۔ حکومت کے دائرہ اقتدار کو بڑھانے نیز سلطنت میں مزید وسعت پیدا کرنے کی تمام کوششوں اور انکے نتائج جو فتوحات کی صورت میں رونما ہوئے، ان سب کا مفصل ذکر شامل ہے۔ اس تاریخی نسخہ کا مستند ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مؤلف بذات خود دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ان حالات سے دوچار ہوا ہے کیونکہ وہ واقعات کو اسی طرح بیان کرتا چلا جاتا ہے جس طرح کسی کی نظروں کے سامنے سے گزرتا ہے۔ غرض کہ دور عالمگیری کی یہ پہلی تاریخی کتاب کہی جاسکتی ہے کہ جس میں عہد عالمگیری کی دوسری، تیسری نیز چوتھی دہائی کے ابتدائی تیس سالہ واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ اس نسخہ کی اہمیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اگر عہد حاضر میں اس دور کی دوسری تاریخی کتابیں نہ بھی ہوں تو بھی اس ایک کتاب سے گیارہویں صدی ہجری کی عالمگیری تاریخ کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

۹۔ لب التواریخ ہند: ہندوستان کی ایک عمومی تاریخ ہے کہ جس کے مؤرخ بندرا بن ہیں۔ ۱۱۰۶ھ ہجری میں انہوں نے اس کتاب کو لکھا اور شہنشاہ اورنگزیب کے نام معنون کیا۔ بندرا بن کا شمار عالمگیری عہد کے امراء خاص میں ہوتا تھا جس کی ایک خاص وجہ بندرا بن کے والد بہار امل تھے جن کا شمار شہنشاہ شاہجہاں کے مقررین خاص میں ہوتا تھا اور وہیں سے انہیں 'رای' کا خطاب بھی حاصل ہوا تھا۔ یہ تمام تفصیلات مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں بیان کی ہیں۔

دوسری مشہور و معروف تاریخوں کی طرح لب التواریخ کا شمار بھی مستند تاریخی کتابوں میں ہوتا ہے جس میں عہد عالمگیری کے اہم واقعات اور سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسے ہند کی عمومی تاریخ کا خلاصہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ شہاب الدین محمد غوری (۵۸۲ھ ہجری) سے لے کر محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر (۱۱۰۰ھ ہجری) تک کی مختصر تاریخ ہے جس میں بیشتر تاریخی واقعات کا مواد "تاریخ فرشتہ" (۱۰۱۶ھ ہجری) سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس کا باب اول خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ بالخصوص شہنشاہ عالمگیر کے عہد کی تاریخ پر مبنی ہے۔ اس کی اہم خصوصیت یوں بھی ہے کہ مؤلف ان حالات کا نہ صرف خود شاہد رہا ہے بلکہ بعض جگہوں پر عملاً موجود بھی رہا ہے۔

۱۰۔ خلاصۃ التواریخ: ۱۱۰۷ھ ہجری میں یہ گرانقدر تاریخ سجان رای بنالوی کے ہاتھوں قلمبند کی گئی جیسا کہ مقدمہ میں مؤرخ کا بیان ہے، اس نے یہ تاریخ اورنگزیب کے ۳۸ ویں سنہ جلوس کے وقت (۱۱۰۵ھ ہجری) میں لکھنی شروع کی تھی اور تقریباً دو سال میں یعنی چالیسویں جلوس (۱۱۰۷ھ ہجری) میں تمام کر دی۔ یہ تاریخ بھی تاریخ فرشتہ نیز دیگر عمومی تاریخوں کی مانند عہد قدیم سے لے کر جلوس عالمگیر

(۱۰۶۸ ہجری) تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کا سبک نہایت ہی سادہ و رواں ہے۔ مؤلف نے اس میں ۱۲ اہم ترین واقعات کو خاص طور پر پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری اور بھی بہت سی تاریخی کتابیں ہیں جن کا مفصل جائزہ یہاں ممکن نہیں ہے البتہ ضمنی طور پر ان کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

- ۱۔ نسخہ دلکشا یا تاریخ دلکشا جسے اورنگزیب کی وفات کے دو سال بعد ۱۰۲۰ ہجری میں بحیم سین نے لکھا تھا۔
- ۲۔ منتخب التواریخ، جس کے مؤرخ جگیون داس گجراتی ہیں ۱۲۰۰ ہجری میں انہوں نے یہ تاریخ لکھی۔
- ۳۔ مآثر عالمگیری، ۱۲۲۰ ہجری میں محمد ساقی نے لکھی۔
- ۴۔ تفتیح الاخبار، جسے محمد ماہ کنجاہی نے عالمگیر کے زمانے میں لکھنا شروع کیا اور فرخ سیر کے عہد میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔
- ۵۔ منتخب اللباب، ۱۲۳۳ ہجری میں محمد ہاشم خانی خان نے لکھا۔
- ۶۔ طراز الاخبار، مؤلف احمد بیگ اصفہانی۔
- ۷۔ تحفۃ الاخبار یا قصہ سلاطین متقدمین، مؤلف ملاصفی قزوینی۔
- ۸۔ مجمل مفصل، جس کی تالیف ۱۰۷۹ ہجری میں محمد براری امی نے کی۔
- ۹۔ انتخاب منتخب از عبدالشکور ٹھٹھوی۔
- ۱۰۔ مرآۃ جہاں نما، شیخ محمد بقاء سہارنپوری۔
- ۱۱۔ تاریخ ہندی، بختاور خاں نے ۱۰۷۸ ہجری میں لکھی۔
- ۱۲۔ جواہر التواریخ، سلمان قزوینی۔
- ۱۳۔ تاریخ دلکشا، مؤلف شیخ عنایت اللہ لاہوری۔
- ۱۴۔ انتخاب شا جہانی، شیخ ملا محمد زاہد نے ۱۰۸۸ ہجری میں تالیف کی۔
- ۱۵۔ مآثر اقبال، شیخ رفعت کشمیری۔
- ۱۶۔ عالمگیر نامہ، حاتم خان۔
- ۱۷۔ تاریخ پرسرور، محمد مقیم سیالکوٹی۔

- ۱۸۔ جامع مفیدی، محمد مفید بافتی نے ۱۰۹۰ ہجری میں تالیف کی۔
- ۱۹۔ ذکر الحسین، یہ مذہبی تاریخ امام حسین کے حالات پر واقع ہے، مؤلف عبدالشکور بن عبد الواسع ٹھٹھوی۔
- ۲۰۔ ریاض الاولیاء، اسمیں اولیاء کا تذکرہ ہے۔ اس کے مؤلف بختاور خاں ہیں جن کی معروف تاریخ 'مرآة العالم' ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ذکر الاولیاء، تذکرۃ صوفیان، شبہ قارہ ہند وغیرہ بھی لکھی ہیں۔
- ۲۱۔ احسن السیر، محمد کاظم شوشتری نے یہ تاریخی کتاب خلفاء وائمہ اسلام کے بارے میں لکھی۔
- ۲۲۔ آشوب ہندوستان، یہ آشوب نامہ ہندوستان کے نام سے بھی معروف ہے۔ مؤلف بہشتی شیرازی۔
- ۲۳۔ اورنگزیب نامہ، اس میں عہد عالمگیری کی تاریخی مثنویاں شامل ہیں اس کے مؤلف حقیری کاشانی ہیں جنہوں نے شاہجہاں کے بیٹوں کی آپسی جنگوں کو موضوع بحث قرار دیا ہے۔
- ۲۴۔ حملہ حیدری، یہ بھی منظومہ ہے۔ محمد رفیع باذل دہلوی نے چالیس ہزار ابیات پر مشتمل یہ مثنوی کہی ہے۔
- ۲۵۔ احوال کشمیر، یہ تاریخی مثنوی ملا توفیق کشمیری نے لکھی جو کہ "تاریخ معنوی توفیق در بیان کشمیر" کے نام سے معروف ہوئی۔
- ۲۶۔ چہار آئینہ یا آئینہ بخت، اس کے مؤلف بختاور خاں نے اس میں چار اہم جنگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ جنگیں دھرمت، جنگ ساموگر، جنگ دیوار و جنگ کجواہ ہیں۔
- ۲۷۔ وقائع حیدر آباد، یہ وقائع ایام محاصرہ دارالجمہاد یا وقائع نعمت خان عالی یا وقائع گلکنڈہ کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ میرزا نور الدین محمد معروف بہ نعمت خان عالی نے اس میں گوکنڈہ کے محاصرہ اور دیگر حالات کو قلمبند کیا ہے، جو کہ گوکنڈہ کے تاریخی واقعات کا مستند تذکرہ ہے۔ چونکہ مؤلف ان حالات کا چشم دید گواہ تھا لہذا اسی طرح بیان بھی کیا ہے۔
- اس طرح یہ مختصر مقالہ عہد عالمگیری کی تاریخ نویسی کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتا ہے۔

ماخذ:

- ۱- A Descriptive Catalogue of Persian Manuscripts, Persian Research Center, Iran Cultural House, New Delhi, 1999.
- ۲- مآثر عالمگیری، محمد ساقی مستعد خاں، کلکتہ ۱۸۷۰ عیسوی
- ۳- انصاری، ڈاکٹر نور الحسن، فارسی ادب بعد اور نگریب، دہلی، ۱۹۶۹ء
- ۴- Story, S.A., Persian Literature, A Bibliographical Survey, London, 1953.
- ۵- Rieu, Charles, Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, London, 1985.
- ۶- Asghar, Dr. Aftab, Persian Historiography in Indo-Pakistan, Lahore, 1895.
- ۷- احمد منزوری، فہرست مشترک نسخہ ہائی خط فارسی پاکستان، جلد دوم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۸۸ء



# اودھ میں عربی تاریخ نگاری :

## فارسی کے اثرات

ڈاکٹر شاہ عبدالسلام  
شعبہ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی۔ لکھنؤ

تاریخ کی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب دو یا دو سے زیادہ قومیں آپس میں ملتی ہیں یا ان میں تہذیبی معاشرتی اور لسانی اختلاط ہوتا ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو دوسری قوم کے اثرات سے محفوظ رکھنے اور خود اپنے تہذیبی، اخلاقی اور سماجی اثرات کو دوسرے پر ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ لیکن جیسے جیسے یہ اختلاط و امتزاج بڑھتا جاتا ہے اثر ڈالنے اور اثر قبول کرنے کا عمل بھی بڑھتا جاتا ہے، اور جس قدر یہ تعلقات فروغ پاتے ہیں دونوں قومیں زندگی کے تمام شعبوں میں غیر شعوری طور پر ایک دوسرے سے اثرات قبول کرتی ہیں اور یہ اثرات برابر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں جب ہم ہندوستان کے تاریخی پس منظر پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں تقریباً ایک ہزار برس تک مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی اور اس عرصہ میں عربی، عجمی اور ہندی تہذیبوں میں خوب آپسی لین دین ہوا۔ ان حالات میں عربی زبان و ادب کو بھی ہندوستان میں رواج پانے اور امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنے اثرات کو بڑھانے کے مواقع میسر آئے اور اس نے ہندوستان میں اپنی ترقی کے لئے راہیں ہموار کیں۔ فارسی داں مسلم سلاطین ہند کی مادری زبان اگرچہ فارسی تھی لیکن ان کی مذہبی زبان عربی تھی اس لئے انہوں نے اگر ایک طرف عربی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تو دوسری طرف اپنی مادری زبان فارسی کے تحفظ اور اپنے تہذیبی ورثہ کے فروغ کے لئے بھی ہر ممکن کوشش کی۔ اور حکمرانوں اور امراء کی سرپرستی اور قدر دانی کی وجہ سے اس امر میں خاطر خواہ کامیابی بھی ملی۔

ہندوستان کی تاریخ میں مذکور تاریخی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی لحاظ سے بہت اہم سال

ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب سلطنت مغلیہ کے سر پر تباہی و بربادی و انتشار کے بادل چھانا شروع ہوئے اور سلطنت کا انحطاط اور زوال شروع ہوا، اور نگزیب کی آنکھ بند ہوتے ہی مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا۔ اس کے بعد ہر مغل حکمران اپنی ناعاقبت اندیشیوں، کوتاہ نظری اور ناتجربہ کاریوں کے باعث مغل تاج و تخت کے زوال کا باعث بنا، مرکزی حکومت لمحہ بہ لمحہ کمزور ہوتی گئی، جانوں، سکھوں، مرہٹوں اور راجپوتوں کی چھوٹی بڑی طاقتوں نے سرکشی کا پرچم بلند کیا اور عالمگیر کے جانشینوں نے اپنی نااہلی اور کوتاہ بینی کے باعث ان باغی طاقتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ مغل سلطنت کا قوت و استحکام خطرے میں پڑ گیا اور پھر پورا ہندوستان متعدد ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔

ایک طرف مغلیہ سلطنت کی مرکزی حکمرانی زوال پذیر ہوئی تو دوسری طرف صوبہ اودھ میں ایک ایسی سلطنت کی بنیاد پڑی جہاں سیکڑوں برس کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کو ایک نیا گوشہ عافیت حاصل ہوا اور اس کے لئے مزید پھلنے پھولنے اور فروغ پانے کے نئے امکانات و وسائل پیدا ہوئے۔

اودھ کی اس نئی حکومت نے مشرقی تہذیب و تمدن کے اس ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو نہ صرف یہ کہ بجھنے سے بچا لیا بلکہ اس چراغ سے نامعلوم کتنے چراغ روشن کر دیئے۔ اودھ کی یہ ریاست قرون وسطیٰ کے تہذیب و تمدن کا آخری نمونہ بن کر تاریخ کے صفحات پر نمودار ہوئی۔

**فیض آباد:** سلطنت اودھ کا پہلا تمدنی مرکز فیض آباد تھا جس کی بنیاد برہان الملک نے اجودھیا کے قریب ڈالی تھی۔ صفر جنگ کے زمانے میں اسی جگہ کا نام فیض آباد پڑا۔ یہ فیض آباد شجاع الدولہ کے انتقال کے وقت تک (۱۷۷۵ء) اودھ کا پایہ تخت رہا۔ ۱۷۷۵ء میں آصف الدولہ نے اپنا پایہ تخت لکھنؤ کو مقرر کیا جو آخری بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کی معزولی تک اودھ کا دار السلطنت بنا رہا۔

اس عہد میں فیض آباد میں اسلامی علوم و فنون اور عربی فارسی کے نامی گرامی علماء و مشاہیر پیدا ہوئے جنہوں نے اسلامی علوم و فنون سے متعلق متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سید عبدالعلی فیض آبادی، سید علی اکبر صوفی، سید مہدی بن نجف علی، مولانا حیدر علی، مولانا حقانی حنفی وغیرہ شامل ہیں۔ ان حضرات نے مذہبیات سے متعلق اپنی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ علوم ادبیہ کے میدان میں ان کی خدمات برائے نام ہی ہیں۔

**لکھنؤ:** ۱۷۷۷ء میں نواب آصف الدولہ نے لکھنؤ کو اودھ کا دارالسلطنت قرار دیا اور پھر لکھنؤ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ جس کی وجہ سے لکھنؤ ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا اور ایک قابل ذکر شہر بن گیا۔ دور دور سے علماء، ادباء، شعراء اور باکمال لوگ لکھنؤ کی طرف کھینچے چلے آئے اور یہاں اہل علم حضرات کا ایک مرکز قائم ہو گیا۔

سلاطین اودھ کی علم دوستی، فیاضی، دریا دلی، سخاوت، فن پروری اور ادب نوازی کی وجہ سے لکھنؤ اور اس کے مضافات میں شعراء، ادباء، علماء، فضلاء اور ارباب کمال کا مجمع ہونے لگا۔ نئے نئے اصناف سخن وجود میں آئے اور علوم و فنون کو ترقی ملی۔

اودھ کے مرکزی شہر لکھنؤ میں اس زمانے میں علوم و فنون کے دو بڑے اہم مرکز تھے۔ ایک فرنگی محل اور دوسرا شیعہ مجتہدین کا خاندان اجتہاد۔ ان ہی دو اداروں نے اودھ میں عربی و فارسی زبانوں میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، منطق، علم کلام و عقائد اور جملہ علوم شرعیہ و عقلیہ سے متعلق کتابوں کی تالیف و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

فرنگی محل جہاں بانی درس نظامی ملا نظام الدین سہالوی اور ان کے لائق فرزند علامہ عبدالعلی بحر العلوم اور ملک العلماء ملا علاء الدین اور ان کے نامور اخلاف نے علوم دینیہ اور علوم عقلیہ (علم ریاضی وغیرہ) کی تعلیم و تدریس میں بڑا نام پیدا کیا۔ اسی طرح خاندان اجتہاد کے بانی اور مورث اعلیٰ علامہ سید دلدار علی غفران مآب نصیر آبادی (۱۲۳۵ھ) تھے، انہوں نے تحصیل علم کے بعد عراق کا سفر کیا اور وہاں سے حصول علم کے بعد واپس لکھنؤ آکر مسند اجتہاد پر متمکن ہوئے۔ وہ عراق سے عربی ادب کا ایسا ذوق اپنے ساتھ لائے جو ان سے پہلے اہل لکھنؤ کے لئے نیا تھا، شیعہ مجتہدین کے عربی ادب کے ذوق نے لکھنؤ کو ادب کے تعلیم کی نئی جہتیں عطا کیں اور وہ علم و ادب کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ علامہ دلدار علی کے بعد ان کے بیٹوں سلطان العلماء سید محمد (۱۲۸۴ھ) اور سید العلماء (۱۲۷۳ھ) نے علم و ادب کے اس نئے رجحان کو اور فروغ دیا۔ اسی ادبی ذوق اور ادبی فضا کی وجہ سے لکھنؤ میں مفتی محمد عباس جیسا جید عالم پیدا ہوا، جس نے دیگر علوم کے علاوہ عربی ادب و شاعری میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل کیا۔ غرض کہ اسی دور میں اودھ اور اس کے گرد و نواح میں فارسی زبان و ادب کے ساتھ ساتھ عربی علم و ادب کا ذوق بھی رواج پانے لگا۔

لکھنؤ کے مضافات میں کاکوری، امیٹھی، جائس، خیر آباد، ہردوئی کے دیگر قصبات، سنڈیلہ، بلگرام، گوپامو، لاہر پور، قنوج، جروول، کٹھور وغیرہ قصبات قابل ذکر ہیں جہاں کی مٹی علوم و فنون کے لئے بڑی زرخیز ثابت ہوئی اور بڑے بڑے نامور علماء اور مستند شعراء ان خطوں میں پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے تصنیفی اور تالیفی کارناموں سے علوم و فنون کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔ علماء کثور اپنا مقام آپ رکھتے ہیں۔ اسی لکھنؤ میں مولانا ناصر حسین، صاحب عبقیات، مشہور و معروف شخصیت کے حامل ہیں۔

دیگر اصناف ادب کے علاوہ تاریخ و تذکرہ اور سیر و سوانح پر بھی اودھ میں کام ہوا ہے مگر اکثر و بیشتر کام فارسی یا اردو زبان میں ہی ہوا ہے، عربی زبان میں تاریخ و سیر پر بہت ہی کم کام ہوا۔ صرف چند کتب کے علاوہ اس میں اور کوئی حوالہ نہیں ملتا ہے۔ شیعہ مسلک کے کچھ علماء نے عربی زبان میں اہل بیت اور ائمہ اطہار کے حالات و مناقب پر کتابیں ضرور لکھی ہیں مگر یہ سیرت و سوانح سے متعلق کتابیں مخصوص مذہبی اور عقائد کے رنگ میں ہیں۔

زمانہ قدیم میں تو مغازی، سیرت اور علم رجال وغیرہ سے متعلق کتابوں کا شمار تاریخ کے ہی زمرے میں ہوتا تھا مگر عصر حاضر میں جبکہ علوم و فنون کو نئے زاویہ سے دیکھنے اور پرکھنے کا رواج ہے اور مذکورہ بالا موضوعات خود ادب کی ایک الگ صنف قرار پائے ہیں تو ایسی صورت میں ہم مغازی سیرت اور سیر کی کتابوں کو الگ صنف ہی مان کر صرف تاریخ کی کتابوں کو اپنا موضوع بحث بنائیں گے، کہ زیر نظر مقالہ کا موضوع ہی اودھ میں عربی تاریخ نگاری ہے۔

اودھ میں عربی زبان سیرت اور تذکرہ علماء سے متعلق متعدد کتابیں تصنیف ہوئی ہیں جن میں مولانا عبدالحی صاحب کی نزہۃ الخواطر، مولانا آزاد کی سبحة المرجان، اور مفتی میرعباس کی کتابیں بھی شامل ہیں مگر ہم ان کتابوں پر یہاں گفتگو نہیں کریں گے کیونکہ ان کتابوں کو ہم نے ایک الگ صنف قرار دے کر تذکرے کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ سردست ہمارا موضوع صرف تاریخ نگاری ہی ہے۔

خطہ اودھ میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں عربی زبان میں تصنیف و تالیف کا جو کام ہوا ہے وہ اکثر و بیشتر علوم شرعیہ اور شاعری علوم عقلیہ کے میدان میں ہی ہوا ہے۔ علوم ادبیہ سے متعلق جو بھی کام ہوئے ہیں وہ تراجم، صرف، نحو، لغت اور شاعری کے میدان میں ہی ہوئے۔ تاریخ کے میدان میں عربی زبان میں بہت ہی کم کام ہوا ہے۔ اس کا سبب شاید یہ تھا کہ عہد مغلیہ میں پورے ہندوستان میں فارسی زبان

کا دور دورہ تھا اور عجمی اور ترکی تہذیب کا غلبہ تھا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد اودھ میں ۱۷۲۱ء میں میر محمد امین نیشاپوری برہان الملک نے اودھ کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ بھی ایرانی النسل تھے اور عجمی تہذیب کے پروردہ اور فارسی زبان کے دلدادہ تھے۔ اس لئے اودھ میں علوم و فنون کے میدان میں فارسی کا غلبہ ناگزیر تھا۔

۱۷۲۱ء سے ۱۸۵۶ء تک جتنے بھی اودھ کے حکمران ہوئے وہ سب ایرانی النسل تھے اور عجمی تہذیب و تمدن سے ان کا تعلق نسبتاً زیادہ گہرا تھا۔ اسی لئے اودھ میں علوم و فنون میں جو بھی تصنیف و تالیف کا کام ہوا وہ زیادہ تر فارسی میں یا پھر مقامی زبان اردو میں ہوا۔ عربی زبان میں اکثر و بیشتر مذہبیات سے متعلق ہی کتابیں لکھی گئیں۔

عربی تاریخ نگاری کے حوالہ سے بہت ہی تلاش و جستجو کے بعد راقم کو تاریخ پر صرف تین کتابیں ایسی ملیں جو عربی زبان میں تصنیف ہوئیں اور ان کے مصنفین علاقہ اودھ کے ہی باشندہ تھے۔ ان تینوں کتابوں کا زمانہ تصنیف انیسویں صدی کا آخری زمانہ ہے۔ یہ کتابیں ہیں:

(۱) الحصن المتين - (۲) سبکۃ الازہب - (۳) بدایۃ الاسلام

(۱) الحصن المتين فی اصول الوزراء والسلاطین۔

اس کتاب کے مصنف عباس مرزا ابن سید احمد حسینی ابن محمود کاظم ہیں اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے، اس کا نمبر ۱۲۸۹ ہے، یہ مخطوطہ عربی زبان میں ہے اور ۴۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مؤلف کتاب کوئی بہت معروف مصنف نہیں ہے۔ اس مصنف کی کسی دوسری کتاب کا حوالہ کہیں دستیاب نہیں ہوا۔ اس کتاب سے یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ مؤلف کے اجداد نوابین اودھ کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ ان کے جد سید محمود کاظم ایک انجینئر تھے اور نواب سعادت علی خاں کے عہد (۱۷۹۸-۱۸۱۴) میں ان کی ہی نگرانی میں لکھنؤ کی متعدد شاہی عمارتوں کی تعمیر ہوئی۔ مؤلف کے والد سید احمد حسینی غازی الدین حیدر بادشاہ (۱۸۱۴-۱۸۲۷) کے خاص معتمد تھے۔ محمد علی بادشاہ بہادر (۱۸۴۲-۱۸۴۷) نے شروع میں ان کی بڑی عزت و توقیر کی اور ان کو سلون ضلع رائے بریلی کا گورنر بنادیا۔ مگر درباری سازشوں کی بنا پر بعد میں اس عہدے سے ہٹا دیا گیا اور ان کی تمام جائیداد ضبط کر لی گئی۔

لیکن بعد کو سو روپیہ مشاہرہ ان کے گزر اوقات کے لئے مقرر کیا گیا جو واجد علی شاہ کے زمانے (1847-1856) تک ان کو ملتا رہا۔ (عربی ادب میں اودھ کا حصہ، ص ۱۵۴)

یہ مخطوطہ ۴۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر پندرہ سطر ہیں اور یہ خوشخط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں۔ نسخہ کی تکمیل ۱۸۶۴ء میں ہوئی ہے اور بعد میں اس میں جگہ جگہ اضافے بھی کئے گئے ہیں۔ (عربی ادب میں اودھ کا حصہ، ص ۱۵۴)

پورا مخطوطہ تین ابواب اور ایک خاتمہ پر منقسم ہے۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ پہلا باب سلاطین اودھ اور امراء کے حالات پر ہے۔ دوسرا باب نوابین اودھ کی ماؤں اور ان کے نسب ناموں پر مشتمل ہے۔ تیسرا باب دس فصلوں پر منقسم ہے اور ان میں امراء، وزراء اور دوسرے سرکاری حکام و ملازمین کے حالات ہیں۔

خاتمہ میں دارالسلطنت لکھنؤ اور یہاں کے باشندوں کے بارے میں تفصیلی معلومات درج ہیں۔ لکھنؤ کی روزمرہ کی زندگی، رہن سہن، مزاج و انداز اور رفتار و گفتار کا بیان ہے۔

”ان احلی ثمرات تشتهر ابھا النفوس و استی کلمات تذلزل الطروس حمد لمن جعل النظام منوطاً بأراء السلاطین۔۔۔“

اور مخطوطہ کی اختتامی عبارت اس طرح ہے:

”ومات نادر مرزا بن شاہ میر عاک بن میرزا نصیر بن مرزا محمد بن مرزا یوسف الاعمی يوم السبت العاشر من شعبان من السنة المذكورة سنة ۱۲۷۸ھ“

(۲) ”سبیکۃ الذهب و معیار الادب فی لوا مع بعض الاعیان و تبیین النسب“

تاریخ اودھ سے ہی متعلق ایک دوسری کتاب جو عربی زبان میں ہے انیسویں صدی کے اواخر میں تصنیف ہوئی ہے وہ سبیکۃ الذهب ہے۔ اس کتاب کا مصنف سید علی اکبر المدعو بآلکیم سید اکبر شاہ موسوی دہلوی ہے۔ ۱۱۴ صفحات پر محیط عربی زبان میں لکھی ہوئی یہ کتاب ۱۸۹۱ء/ ۱۳۰۹ھ میں محلہ فراش خانہ، لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ مصنف نے اپنے آباؤ اجداد کو اکبر کے امراء و اعیان میں شمار کرایا ہے، اور لکھا

ہے کی ان کے خاندان میں بڑے اہل علم لوگ گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنے بزرگوں میں سید عبدالرزاق جیلانی شیرازی ثم دہلوی کے ایک رسالہ ”مصابیح الشرعیہ و مفتاح الحقیقہ“ کا بھی ذکر کیا ہے۔ (ص ۷) ان کے صاحبزادے حکیم سید ابوالفتح اکبر بادشاہ کے معالج تھے۔ عرفی شیرازی نے ان کا قصیدہ بھی لکھا ہے۔ اکبر نے انہیں لاہور کا امیر بھی مقرر کیا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ نے ان کے ایک بزرگ سید امیر مختار کو کشمیر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ جہاں وہ اپنے لڑکے سید محمد جواد کے ساتھ مقیم رہے۔ ان کے دولڑکے سید محمد باقر اور سید محمد احمد کی اولاد دہلی، لکھنؤ اور کلکتہ میں آباد ہوئی۔ سید باقر کے لڑکے سید مختار مصنف کتاب کے والد اور اچھے حکیم تھے اور بڑے رئیسوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ (سبکۃ الذهب، ص ۱۰-۹)

کتاب کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ”سبکۃ الذهب“ کا مصنف پختہ تاریخی شعور رکھتا تھا۔ وہ تاریخی اسباب و عوامل سے بھی بحث کرتا ہے۔ اور مغل سلطنت کے زوال کے پس منظر میں ان کی پیش پسند یوں کی تفصیل بھی کرتا ہے۔ (ص ۲۳) امراء و سلاطین کی مزاجی خصوصیات پر بھی وہ روشنی ڈالتا ہے جس سے ان کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ برہان الملک (ص ۱۸) صفدر جنگ (ص ۳۲) اور شجاع الدولہ (ص ۵۰) کے تعارفی مضامین سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

سید علی اکبر نے اودھ کی مستند تاریخوں سے استفادہ کیا اور ان کا حوالہ بھی جگہ جگہ دیا ہے جیسے ”عماد السعادت“ اور ”درۃ نادرۃ“ وغیرہ اور چونکہ حکومت اودھ کے آخری ایام کا وہ عینی شاہد بھی ہے اس لئے اس کتاب کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ مصنف کے اودھ کے بہت سے امراء، ادباء اور علماء سے تعلقات بھی رہے ہیں اس لئے ان کے حالات کی تفصیل جو اس نے فراہم کی ہے وہ مستند اور اہم ہے:

اسلوب و مواد کے اعتبار سے یہ کتاب عربی انشاء پر دازی کا ایک عمدہ نمونہ ہے جو اودھ کے علمی و ادبی ذخیرے میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل موضوعات پر معلومات فراہم کی گئی ہیں:

مصنف کا شجرہ اور خاندانی حالت۔ محاسن ملکہ و کٹوریہ (ص ۱۶)۔ نواب برہان الملک کے عہد سلطنت پر تفصیلی تبصرہ (ص ۱۸)۔ نادر شاہ کے حملے کی تفصیلات اور نصر اللہ مرزا کے ساتھ محمد شاہ کی بیٹی کی شادی کا ذکر (ص ۲۹)۔ صفدر جنگ کے حالات کا تفصیلی ذکر (ص ۳۲)۔ صفدر جنگ اور روہیلوں کی جنگ (ص ۳۹)۔ صفدر جنگ اور احمد خاں بگلش کی جنگ (ص ۴۱)۔ شیوخ اودھ اور افغانوں کی

جنگ (ص ۴۵)۔ جلوس شجاع الدولہ (ص ۵۰)۔ جنگ بکسر کا اجمالی تذکرہ (ص ۵۵)۔ شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں کی جنگ (ص ۵۶)۔ آصف الدولہ کی وزارت و حکومت۔ اس ضمن میں اس عہد کے علماء و امراء جیسے مولوی نجف علی، علامہ تفضل حسین کشمیری، مرزا حسن رضا خاں، مولانا دلدار علی، اخوند ملا رضا وغیرہ کے تذکرے بھی آگئے ہیں (ص ۵۸)۔ جلوس وزیر علی خاں (ص ۶۲)۔ جلوس غازی الدین حیدر (ص ۶۵)۔ حکیم مہدی علی خاں اور روشن الدولہ کا ذکر (ص ۶۸)۔ جلوس محمد علی شاہ (ص ۶۹)۔ مولانا سید دلدار علی کا تفصیلی تذکرہ (ص ۷۲)۔ جلوس امجد علی شاہ (ص ۷۳)۔ جلوس واجد علی شاہ۔ اس کے ذیل میں امین الدولہ کا تفصیلی ذکر (ص ۷۵)۔ نواب حامد حسین خاں اور ان کے خاندان کا ذکر (ص ۸۰)۔ مولانا سید حسین کا ذکر (ص ۸۴)۔ ۱۸۵۷ء میں اودھ کے حالات کی تفصیل (ص ۸۶)۔ راجہ امیر حسن خاں اور راجہ کاظم حسین خاں کا اجمالی ذکر (ص ۹۲)۔ مرزا سلیمان قدر اور دوسرے امراء کا ذکر (ص ۹۴)۔ نواب ممتاز الدولہ کا ذکر (ص ۹۷)۔ نواب محسن الدولہ (ص ۹۹)۔ سلامت علی دبیر (ص ۱۰۰)۔ میر انیس کا اجمالی تذکرہ (ص ۱۰۱)۔ مشتق میر عباس (ص ۱۰۳)۔ تلامذہ مولانا سید حسین صاحب (ص ۱۰۶)۔ امرائے زمانہ کی عیاشیوں کا ذکر (ص ۱۱۰)۔

(۳) بدالاسلام۔ تاریخ کے ہی زمرے میں شامل عربی زبان میں ایک تیسری کتاب جو اودھ میں ہی تصنیف ہوئی ہے وہ مولانا شبلی نعمانی کی تصنیف بدالاسلام ہے، یہ کتاب ۷۰ صفحات پر محیط ہے۔ یہ کتاب غالباً انیسویں صدی کے اواخر میں ہی تصنیف ہوئی۔ جب مولانا شبلی علی گڑھ میں پروفیسر تھے۔ یہ کتاب تاریخ اسلام سے متعلق ہے اور اس میں ولادت رسول کریم، سفر شام، رسالت، ہجرت حبشہ، ہجرت مدینہ، غزوات، بیعت رضوان، بادشاہوں کے نام مراسلات، خالد بن ولید کا قبول اسلام فتح مکہ، وفود عرب وفات رسول، شامل آنحضرت وغیرہ کے عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ میمونہ سلطان شاہ بانو نے کیا تھا، جو ۱۳۴۳ھ میں رحمانی پریس دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

یہ تینوں کتابیں انیسویں صدی کے نصف آخر میں اودھ میں تصنیف ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی زبان میں جو بھی تاریخ نویسی کا کام اودھ میں ہوا اس پر اگرچہ فارسی کے اثرات نمایاں طور پر غالب تھے مگر کچھ ایسے بھی مورخین تھے جو عربوں کی تاریخ نگاری کے روایتی آداب کو ہی سینے سے لگائے بیٹھے تھے اور کسی بھی طرح کوئی نیا تجربہ کرنے یا جدت کے قائل نہ تھے، مگر ایسے لوگ

شاذ و نادیر ہی تھے۔ مولانا شبلی کا شمار ایسے ہی لوگوں میں تھا۔

زمانہ قدیم سے ہی عربی تاریخ نگاری کا اسلوب بالکل جداگانہ تھا۔ عرب اپنی کتابوں میں سیدھی سادی عبارتوں کو اور مبالغہ آمیز اسلوب پر پاک انداز بیان کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی تحریروں میں راوی کے حوالوں اور استناد کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ وہ واقعات اور حقائق کے سلسلے میں روایت و درایت کے ساتھ ساتھ سنین کا بھی ذکر ضروری سمجھتے تھے۔ یہ اسلوب نگارش عربوں نے حدیث اور فہم حدیث سے متاثر ہو کر اختیار کیا تھا اور یہی اسلوب کم و بیش آج بھی عربی کی تاریخ نگاری میں رائج ہے۔

اس کے برعکس فارسی تاریخ نگاری کی عام طور پر یہ خصوصیات رہی ہیں کہ اسلوب بیان میں رنگینی، مبالغہ آمیزی، مسجع مقفع عبارت آرائی اور داستان گوئی کا انداز غالب رہتا ہے۔ تاریخی شواہد اور حقائق کو پیش کرنے کے لئے راوی پر کم توجہ دی جاتی ہے اور قصہ کہانیوں کے انداز میں تاریخی واقعات کو پیش کیا جاتا ہے۔ روایات کو قبول کرنے کے سلسلے میں تنقیدی صلاحیت اور قوت فیصلہ سے کام لینے پر کم توجہ دی جاتی ہے۔ انشاء پردازی کا مظاہرہ اصل واقعات پر غالب رہتا ہے نتیجتاً ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قاری کا ذہن تاریخی واقعات سے بھٹک کر انشاء پردازی کے سحر میں مقید ہو کر رہ جائے۔

مذکورہ بالا دو کتابوں یعنی ”الحصن الممتن“ اور ”سبکۃ الذہب“ کے مطالعہ سے یہ اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ دونوں ہی کتابیں مکمل طور پر فارسی تاریخ نویسی کے اسلوب میں ہی لکھی گئی ہیں، اور ان میں فارسی تاریخ نویسی کے آداب نگارش کا بھرپور مظاہرہ ہے۔ مثال کے طور پر ہم ذیل میں چند مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے اس دعوے کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ”سبکۃ الذہب“ کے مصنف نے فارسی تاریخ نویسی کے اسلوب کو ہی اختیار کیا ہے اور مبالغہ آرائی اور انشاء پردازی تاریخی حقائق پر غالب نظر آتی ہے۔

مندرجہ ذیل اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف کتاب انشاء پردازی کے مظاہرہ کو اولیت دے رہا ہے:

”وَأَمْرٌ بِتَسْخِيرِ السَّاحِرِ لَأَفْرَادِهِ فَنُحْلِلُ مَعَ الْإِفْوَاجِ كَمُعَارِجِ سَحَاجٍ وَبَحْرِ عَجَاجٍ ثُمَّ مَوَاجٍ وَبِالسَّوَاحِلِ وَالنَّوَاحِلِ ذِي أَمْوَاجٍ وَفِي ضَحْوَةِ النَّهَارِ وَلَيْلِ دَاجٍ وَفِي

غیب اللیل نجم، و سراج (سبکۃ الذهب - ص ۲۵)

(ترجمہ) اور اس نے اپنے لوگوں کو تسخیر لاہور کا حکم دیا اور افواج کے ساتھ کوچ کیا۔ بحرِ پر شور و ذخار کی طرح اور موج مارتے ساحلوں کی طرح اور دن کی روشنی میں وہ کالی رات کی طرح اور رات کی تاریکی میں ستاروں اور چراغوں کی طرح چمکتے تھے)

درج ذیل اقتباس سے بھی یہ مکمل طور پر ظاہر ہے کہ اگرچہ زبان تو عربی ہے مگر اسلوب نگارش خاص فارسی انداز کا ہے:

”وكان برهان الملك صمصام الدولة في غاية السطوة والصلولة والعدة والعولة والبطش والحولة في أبطال فل كدستمسم التحارب و نبتهم النواب يعجمون بأطراف الشنايا على الزبر ويدخلون ولو غرت الابر، وفي الحم الغفير من أعبان القواد وأسمال الافراد والعزادات والمخانيق والاهواق والمخانيق“ (سبکۃ الذهب ص ۲۶)

(ترجمہ) اور برہان الملک صمصام الدولہ بہت بارعب، صاحب استعداد، اور ایسے بہادروں میں چوکس تھے جن کو تجربات و حوادث نے تیز رفتار بنادیا تھا، (وہ ایسے فرماں بردار تھے کہ) احکام کے کاغذوں کو دانت سے پکڑتے تھے اور سوئی کے ناکے میں بھی گھس جاتے تھے۔ اور برہان الملک کمانداروں اور بہادروں کے جم غفیر میں توپوں اور منجنيقوں، پھندوں اور رسیوں کے ساتھ روانہ ہوا)

یہ تحریریں انشاء پر دازی سے بوجھل اور فارسی تاریخ نگاری کے اسلوب سے قریب تر نظر آتی ہیں۔

یہی طرز نگارش ہم کو غلام علی آزاد بگرامی کی عربی تحریروں میں بھی نظر آتی ہے خاص کر ان کی کتاب سبحة المرجان میں بھی یہی فارسی انداز غالب ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بگرامی کے بارے میں مولانا شبلی فرماتے ہیں:

”آزاد کا عربی اور فارسی کلام اگرچہ کثرت سے ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کے چہرہ کمال کا داغ ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب ہیں، لغات و محاورات ان کی زبان پر ہیں لیکن کلام میں اس قدر عجیت ہے کہ اس کو عربی کہنا مشکل ہے۔ ان کو اس پر ناز ہے کہ انہوں نے عجم کے

خیالات عربی زبان میں منتقل کئے ہیں لیکن نکتہ سنج جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے“ (مقالات شبلی)

مولانا شبلیؒ اور اس زمانے میں ان کے ہم خیال دیگر ادباء اور نقاد عربی تحریروں کو خاص عربی اور اسلامی پس منظر میں ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں، اور نئے تجربات اور زبان و بیان میں نئے اسلوب کے اضافے یا تجربے کے حق میں وہ بالکل نہیں ہیں۔ اسی لئے فارسی کے زیر اثر عربی میں پیدا ہونے والے اثرات کو انہوں نے یکسر عیب کہہ کر الگ کر دیا۔

مولانا شبلیؒ نے خود اپنی کتاب بدأ الاسلام میں اسی مخصوص عربی تاریخ نگاری کے اسلوب کو ہی اختیار کیا ہے۔

علامہ شبلیؒ نے عربی مؤرخین کی طرح تاریخ نویسی میں سادہ بیانی سے ہی کام لیا ہے اور روایت و درایت کے اصولوں کو بھی پوری طرح مد نظر رکھا ہے اور بے جا انشاء پردازی سے احتراز کیا ہے اور مؤرخانہ حیثیت پر ادبی حیثیت کو غالب نہیں آنے دیا ہے، یہی اسلوب نگارش ان کی کتاب بدأ الاسلام کو دیگر ہم عصر مؤرخین کی کتابوں سے بالکل منفرد کرتی ہے۔

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اودھ میں عربی تاریخ نگاری سے متعلق جو بھی کتابیں ہم کو دستیاب ہیں ان کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انیسویں صدی کے اودھ میں تصنیف و تالیف کے میدان میں عربی تاریخ نگاری پر فارسی کے اثرات بدرجہ اتم موجود تھے اور فارسی زبان و ادب اور اس کے ادیب اپنے تہذیبی اور لسانی اثرات کو دیگر اصناف سخن کی طرح عربی تاریخ و ادب پر مسلط کرنے کے لئے یا یوں کہیے کہ ہندوستان کی عربی تاریخ نگاری کو ایک نئے تجربے اور نئے زاویے سے آشنا کرنے کے لئے ہر طرح سے کوشاں و سرگرداں تھے، اور مولانا شبلیؒ اور ان کی طرح دیگر علماء جو روایت کے پابند تھے اپنی مخالفت اور اپنی وجہد کے باوجود اودھ کے عربی ادب کو فارسی کے اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ اس کا بھرپور اندازہ ہم کو عربی شاعری کے اس ذخیرے سے ہوتا ہے جو عربی شعراء کی دین ہے۔ یہ تحقیق کا ایک الگ موضوع ہو سکتا ہے۔

## مراجع

- ۱۔ عربی تاریخ نگاری، محمود الحسن، اردو مطبوعہ مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۵ء، حصہ ۲۲۴
- ۲۔ ہندوستان میں عہد وسطی کے مؤرخین، محبت الحسن، مترجم مسرور ہاشمی (اردو) مطبوعہ ترقی اردو بورڈ، دہلی

- ۳- سبکۃ الذہب، حکیم سید اکبر شاہ کشمیری، مطبوعہ اشاعتی پریس، لکھنؤ، ۱۳۰۹ھ، ص ۱۱۳
- ۴- اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (الثقافة الاسلامیة فی الہند) مولانا حکیم سید عبدالحی، اردو ترجمہ، مترجم ابو العرفان ندوی، مطبوعہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء
- ۵- نصیر الدین حیدر کنگ آف اودھ، محمد تقی احمد، (انگریزی میں مقالہ) میگور لائبریری، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ
- ۶- عربی ادب میں اودھ کا حصہ، ڈاکٹر مسعود انور علوی کا کوری، کتب خانہ انوریہ، تکیہ شریف کا کوری، اردو، ۱۹۹۰ء، ص ۳۵۰
- ۷- کنٹریوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر (انگریزی) ڈاکٹر زبید احمد، مکتبہ دین و دانش، جالندھر، پنجاب، ۱۹۳۶ء
- ۸- تاریخ بداء الاسلام، مولانا شبلی نعمانی، عربی، مطبوعہ مفید عام پریس، آگرہ، ص ۵۴
- ۹- المحسن المتین فی احوال الوزراء والساٹین، عباس مرزا ابن سید احمد، عربی مخطوطہ، ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری، کلکتہ
- ۱۰- تاریخ فکر اسلامی، پروفیسر محمد اجتبی ندوی، اردو، مطبوعہ المرکز العلمی، جامعہ نگر، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء
- ۱۱- ابجد العلوم، نواب صدیق حسن خاں، عربی، مطبع صدیقیہ، بمبئی، ۱۲۹۵ھ



# ”بھیم سین مولف نسخہ دلکشا“

سترہویں صدی کا ایک فارسی مؤرخ

ڈاکٹر محمد تعظیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی - ۲۵

ہندوستان میں مغل حکومت کی اساس یوں تو بابر بادشاہ نے رکھی مگر اسے استحکام اکبر نے بخشا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ایک مشترکہ تہذیب و تمدن کو فروغ دینے کی شعوری کوشش بھی کی۔ اکبر کی ’صلاح کل‘ کی پالیسی کے نتیجہ میں مغل شاہی دربار اور انتظامیہ میں مسلمانوں کے دوش بدوش غیر مسلم باصلاحیت افراد خاصی تعداد میں نظر آنے لگے۔ انجام کار ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی اختلاف کا ثمل تیز ہوا نیز ایک مشترکہ گنگا جہنی تہذیب کے وجود میں آنے کی راہیں ہموار ہوئیں۔ اور آخری مغل دور آتے آتے یہ تہذیب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آنے لگی۔

فارسی چونکہ سرکاری زبان تھی اور حکومت کے تمام کام فارسی زبان میں انجام پارہے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ہندو حضرات فارسی جانیں تبھی وہ شاہی ملازمت میں آسکتے تھے۔ اور مغلوں نے بھی بالفاظ مذہب و ملت شاہی ملازمتوں کے دروازے کھول دئے تھے۔ ابتداء شاہی ملازمتوں میں بڑی تعداد ہندو کاستھ قوم کی نظر آتی ہے، جس نے فارسی زبان میں مہارت حاصل کر لی تھی<sup>۱</sup>۔ فارسی زبان پر عبور حاصل کرنے کے بعد بہت سے ہند اہل قلم ہندو فارسی تاریخ نگاری کے میدان میں داخل ہوئے۔ اور ان لوگوں نے وہی طریقہ کار اپنایا جو مسلمان مؤرخین فارسی تاریخ نگاری میں اپناتے نظر آ رہے تھے<sup>۲</sup>۔ کیونکہ فارسی زبان و ادب کے فروغ نیز شاہی ملازمتوں میں داخلے نے ان میں بھی تاریخ نگاری کے شوق کو جلا بخشی

تھی۔ جہاں ہمیں بہت سے فارسی شعراء ہندو دکھائی دیتے ہیں وہیں ایک کثیر تعداد میں ہندو مؤرخین بھی نظر آتے ہیں۔ جیسے چندر بھان برہمن مؤلف چہار چمن، رائے برندا بن مؤلف لب التوارخ ہند، جگجیون داس مؤلف منتخب التوارخ، سبحان رائے بنالوی مؤلف خلاصۃ التوارخ، کیول رام مؤلف تذکرۃ الامراء، ایثور داس ناگر مؤلف فتوحات عالمگیری، بھیم سین مؤلف نسخہ دلکشا وغیرہ۔

مغل دور میں دو طرح کی تاریخی کتب ہمارے سامنے آتی ہیں: سرکاری تواریخ اور غیر سرکاری تواریخ۔ سرکاری مؤرخین جن کے ذرائع معلومات کافی وسیع تھے مگر اپنے انداز فکر اور طریقہ کار میں آزاد نہ تھے اور جو تاریخ بادشاہ وقت کے حکم اور اس کی عین مرضی کے مطابق لکھ رہے تھے۔ دوسری طرف غیر سرکاری مؤرخین اپنے اندر کی آواز کا احترام کرنے کی خاطر یا اپنا شوق پورا کرنے کے لئے تاریخی لکھ رہے تھے۔ جو اپنے انداز فکر اور طریقہ کار میں پوری طرح آزاد تھے۔ کیونکہ ان کے پیش نظر کسی طرح کے انعام یا عہدے کا لالچ نہ تھا۔

ہندوستان کے قرون وسطیٰ کے مسلم حکمرانوں میں اورنگزیب ہی ایک ایسا حکمران گزرا ہے جس کو عام طور پر کٹر سنی و مذہبی، حامی اسلام، محافظ شریعت، ہندو کش، بت شکن وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے پورے عہد عالمگیری کی تصویر مسخ ہو جاتی ہے۔ بھیم سین جو اورنگزیب کا ہم عصر ہے آئیے دیکھیں وہ اورنگزیب اور اس کے عہد کی تصویر کس انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس کی تصنیف نسخہ دلکشا اورنگزیب کے مکمل دور حکومت کے واقعات خاص طور پر دکن کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ جو ایک ہم عصر ہندو مؤرخ کے قلم سے لکھی گئی ہے۔ نسخہ دلکشا کے ذریعہ اس دور کے عام ہندوؤں کے نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے کہ آیا اورنگزیب کتنا ہندو کش یا مذہبی تھا۔

بھیم سین کی پیدائش ۱۶۴۹ عیسوی یعنی ۲۳ ویں سال جلوس شاجہانی برہان پور میں ہوئی تھی۔ اس نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اپنے باپ رگھونندن داس کی ”خدمات کی نیابت“ سے کیا تھا۔ جو ابتداء میں ”علوفہ نقدی“ کی تقسیم بعد ازاں شہزادہ محمد معظم کی ملازمت میں ”مشرقی توپخانہ صوبجات دکن“ کی خدمت پر مامور ہوا تھا۔ اور جس کو ۱۵۰۰ اذات اور ۱۰ سوار کا منصب ملا تھا۔ مگر

گوشہ نشینی اور حق پرستی کے باعث ۱۱ ویں جلوس عالمگیری میں رگھونندن داس نے استعفیٰ دیدیا۔<sup>۸</sup> تو بھیم سین میر عبدالمعبود بخشی کی ماتحتی میں ”مشرف داغ و تصحیحہ“ کی خدمت پر مامور ہوا۔<sup>۹</sup> ۳۳ ویں سال جلوس عالمگیری میں بھیم سین راؤ دلپت بندیلہ سے وابستہ ہوا اور ۱۲ ہزار روپیہ سال تنخواہ اور اپنے وطن دتیا میں جاگیر دے کر بھیم سین کو ”متصدیوں و محارروں“ کی کشمکش سے نجات دے کر فارغ البال کر دیا۔<sup>۱۰</sup> ۴۱ ویں سال جلوس عالمگیری میں جب راؤ دلپت پر ”تہمت چند لگی“ اور اس ”مقدمہ“ کے سلسلہ میں بھیم سین دربار عالی گیا تو پہلی بار بھیم سین نے دریائے نربدا پار کیا اور اجین پہنچا۔<sup>۱۱</sup> سرونج، گوالیار، دھول پور، آگرہ، متھرا، ورنداون وغیرہ شہروں کی سیاحت بھی کی جو اس کی شدید خواہش بھی تھی۔<sup>۱۲</sup> اور پھر راؤ دلپت کے منصب کی بحالی کا حکم نامہ لے کر واپس دکن آ گیا۔<sup>۱۳</sup> اس طرح بھیم سین نے شمالی ہند کی سیر و سیاحت بھی کر ڈالی۔ دتیا میں راؤ دلپت کی موت کے بعد اس کے بیٹوں میں ہوئی خانہ جنگی کی وجہ سے بھیم سین اپنے اہل و عیال کے ساتھ گوالیار منتقل ہو گیا۔<sup>۱۴</sup> بعد ازاں بھیم سین کے بیٹے شہجوان تھ اور سکے بھتیجے ومنہ بولے بیٹے برجھوکن کو شاہزادہ خجستہ اختر جہاندار شاہ کے یہاں ملازمت مل گئی۔<sup>۱۵</sup> اور بھیم سین نے گوشہ قناعت اختیار کر کے بقیہ ایام زندگی ”بندگی معبود“ میں گزارے نیز اسی دوران اس نے نسخہء دلکشا کو مکمل کیا۔<sup>۱۶</sup>

بھیم سین کا پورا خاندان مغل انتظامیہ سے وابستہ تھا اور زیادہ تر افراد ”مشرف و مستوفی“ کے عہدہ پر مامور تھے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ خاندان حساب و کتاب میں اچھی دسترس و شہرت کا حامل تھا۔<sup>۱۷</sup> بھیم سین فارسی زبان و ادب کے علاوہ ہندی زبان و ادب سے اچھی واقفیت رکھتا تھا۔<sup>۱۸</sup>

شاہی افواج نے جب قلعہ پر نالہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور دریا کی طغیانی و بارش نے قلعہ کی فتح میں تعطل پیدا کر دیا تھا، اس وقت کوئی ”شغل“ نہ ہونے کے سبب ”پائے قلعہ پر نالہ فراغت“ میسر ہوئی تو اس نے یہ تاریخ ”نسخہء دلکشا“ لکھنے کی سعی کی۔<sup>۱۹</sup> اور ”اپنی توجہ قدیم مگر حیرت انگیز قصوں اور واقعات

کی طرف مبذول کی، تاکہ اس کے ”بے قرار دل کو سکون مل سکے“۔<sup>۱۹</sup> اور ”جو تاثرات و خیالات“ اس نے ”شعوری طور پر تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ حاصل کئے ہیں ان کو بغیر کسی غفلت و فرو گذاشت کے ضبط تحریر“ کر دے۔ کیونکہ یہ کام (تاریخ لکھنے کا) اس کے لئے ”استفادہ اور فاعلیت کا ذریعہ ہے۔۔۔“

سرگزشت خودم بلا کم و کاست      از مداد قلم بہ صفحہ نگاشت  
از سر فکر منشی علام      نسخہء دلکشا خطا بے یافت<sup>۲۰</sup>

بھیم سین کا مقصد چونکہ شعوری طور پر تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ گزرے واقعات تحریر کرنا ہے لہذا اس نے صرف ان ہی واقعات کو سپرد قلم کیا جن میں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک تھا۔ اور جن کی معتبر شہادتیں اسے میسر تھیں۔ اسی لئے اس نے اپنی تاریخ کو دکن کے معاملات پر ہی مرکوز کیا نہ کہ پورے ہندوستان کے واقعات پر۔ کیونکہ اس کا تعلق دکن سے تھا اور وہ اپنی تاریخ میں ”غفلت و فرو گذاشت“ بھی نہیں چاہتا تھا۔

بھیم سین راسخ العقیدہ ہندو ہونے کے باوجود نسخہء دلکشا کا آغاز ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ اور خدا کی طویل حمد و ثنا اور اظہار تشکر سے کرتے ہوئے<sup>۲۱</sup> اپنے محسن و کرم فرما راؤ دلپت بندیلہ کے خاندان کے مفصل حالات قلمبند کرتا ہے۔<sup>۲۲</sup> بعدہ برہان پور، اورنگ آباد و قلعہ دولت آباد کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے نظام الملک اور عنبر جشی کا ذکر کرتا ہے۔<sup>۲۳</sup> اورنگ زیب کی دکن کی صوبہ داری سے متعلق ضمناً ذکر کرتے ہوئے اس کا دکن سے خروج اور جنگ تخت نشینی کی تفصیل فراہم کراتا ہے۔<sup>۲۴</sup> بعد ازاں اورنگ زیب کی تخت نشینی سے شہزادہ کام بخش کی شکست و موت تک کے حالات و واقعات کو سال بہ سال سپرد قلم کرتے ہوئے اپنی عزلت نشینی اور نسخہء دلکشا کی تکمیل کا ذکر کرتا ہے۔<sup>۲۵</sup>

بھیم سین عموماً شمالی ہند کے واقعات و حقائق کو مختصراً تحریر کرتا ہے۔ جیسے سامو گڑھ کی جنگ میں داراشکوہ کی فوج کی مشکلات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے ”بڑی تعداد میں فوجی گرمی کی شدت اور پانی کی قلت کی وجہ سے مر گئے اور بہت سے ناتجربہ کاری، محاذ جنگ کی پریشانیوں اور بہادرانہ عزائم کے فقدان کے سبب مارے گئے۔“<sup>۲۶</sup> بھیم سین کو محمد مراد بخش اور اورنگ زیب کے درمیان سلطنت کی تقسیم

کے معاہدہ کا علم تھا۔ وہ اس معاہدہ کو مختصراً مگر معروضی انداز میں تحریر کرتے ہوئے اور مراد بخش کو ”سادہ لوح“ قرار دیتے ہوئے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کرتا۔ ۲۸ اسی طرح ملک جیون کے ذریعہ داراشکوہ و سپہر شکوہ کی گرفتاری، قید اور پھر ان دونوں کے قتل کے ساتھ ساتھ محمد مراد بخش کے قتل کے واقعہ کو تحریر کرتا ہے۔ ۲۹

بھیم سین امیر الامراء شائستہ خان کے کمپ پر شیواجی کے حملے کو بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ یہ حملہ امیر الامراء کی غفلت کی بناء پر ہوا تھا اور ساتھ ہی ساتھ شیواجی کی عسکری صلاحیت اور فریب دہی کا بھی اعتراف کرتا ہے۔ ۳۰ لیکن بھیم سین اس حملے میں امیر الامراء کے ہاتھ کی انگلیوں کے کٹ جانے کی بات نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے تبادلے کی بات کرتا ہے۔ ۳۱ اسی کے ساتھ بھیم سین یہ بتانے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ شیواجی کو اس حملہ کی ترغیب مہاراجہ جسونت سنگھ نے دی تھی کیونکہ جسونت سنگھ اپنے آپ کو شاہجہاں کا اور امیر الامراء شائستہ خان کو اورنگزیب کا خیر خواہ و ہمدرد سمجھتا تھا۔ اس لئے مہاراجہ جسونت سنگھ نے امیر الامراء کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ ۳۲ خانی خان بھی اس کے بیان کی تائید کرتا ہے۔ ۳۳ حالانکہ مہاراجہ جسونت سنگھ بھیم سین کا محسن ہے کئی مرتبہ روپے پیسے سے اس کی اعانت کی تھی۔ نیز عہدہ و منصب دلانے کی بھی کوشش کی تھی۔ اس کے باوجود بھیم سین حقائق کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ایماندارانہ طور پر وہ سچائی بیان کرتا ہے۔ یہ بات اس کی مورخانہ ایمانداری و بصیرت نیز تاریخ کو معروضی انداز میں لکھنے کی جسارت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

بھیم سین شیواجی کے مغل دربار سے فرار کے واقعہ کو کافی تفصیل سے لکھتا ہے ۳۴ نیز شیواجی کی ذہنیت اور عیارانہ خصلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ شیواجی کے ذہن میں پہلے دن سے ہی دربار سے فرار ہونے کا خیال موجود تھا اسی لئے شیرینی کی تقسیم کا ڈرامہ رچایا اور مٹھائی کے ٹوکڑے میں بیٹھ کر فرار ہوا۔ آگے لکھتا ہے ”شیواجی نے مٹھرا پہنچ کر اپنے سر اور داڑھی کو منڈوا دیا اور اپنے ایک پرانے شناسا برہمن کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے بیٹے سنبھا کو اس کے ذریعہ وطن بھجوانے کا انتظام کیا اور خود بنارس، الہ آباد کی طرف سے ہوتا ہوا گیا پہنچا، جہاں اس کے اپنے آدمی موجود تھے جن کے

ہمراہ وہ اڑیہ روانہ ہوا۔ ۳۵؎ بھیم سین نے یہاں اس برہمن کا نام تحریر نہیں کیا خانی خان کے مطابق اس کا نام کب کلش تھا۔ ۳۶؎

بھیم سین کا انداز تحریر کیونکہ بہت معروضی ہے اس لئے وہ حقائق کو مسخ نہیں کرتا بلکہ واقعات کو ان کے حقیقی تناظر میں دیکھتا ہے۔ خواہ واقعات کا تعلق خود اس کی ذات سے ہو یا محسنوں کی ذات سے، چاہے مغل بادشاہ سے ہو یا مغل سلطنت کے دشمنوں سے، وہ پوری ایمانداری و صداقت کے ساتھ واقعات کو معروضی نقطہ نگاہ سے قلمبند کرتا ہے۔ مثلاً شیواجی کے ذریعہ افضل خان پر حملے کو مکمل صداقت و تفصیل کے ساتھ تحریر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ کس طرح افضل خان نے شیواجی کو بے یار و مددگار کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں شیواجی نے افضل خان سے رحم و کرم کی درخواست کرتے ہوئے ملنے کی خواہش کی اور ملنے پر افضل خان نے جیسے ہی شیواجی کو محبت و خلوص کے ساتھ گلے لگایا، شیواجی نے افضل خان کے پیٹ میں ”باگھ نک“ یعنی بچھو مار دیا۔ جب تک افضل خان کے آدمی اس واقعہ کو سمجھ پاتے شیواجی اور اس کے ساتھی افضل خان کے کچھ آدمیوں کو قتل کر کے فرار ہو گئے۔ ۳۷؎ پروفیسر حسن عسکری اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”شیواجی اور افضل خان مابہ النزاع واقعہ کی روداد اس ہندو برہمن پوری مصنف کی زبانی سنئے اور سر جادونا تھہ سرکار اور مرہٹہ مورخین کی زبردستی کی منہ شگافیوں کی داد دیجئے۔“ ۳۸؎ اس کی صداقت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے اس عشق کو بھی نہیں چھپاتا جو اس نے ایک مرہٹن سے کیا تھا۔ ۳۹؎

سنجیا کی گرفتاری کے واقعہ کو مختصراً قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے ”حضرت ظن سبحانی نے سنجیا کی گرفتاری پر دو گانہ و شکرانے کی نماز ادا کی اور خان زمان کے منصب میں اضافہ کیا نیز ”فتح جنگ“ کا خطاب عطا کیا۔ سنجیا کی آنکھوں میں سلائی پھر وادی۔ دو تین دن بعد کوی کب کلش کے ساتھ ساتھ سنجیا کا سر بھی کندھوں کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔“

کلمیم بخت کسے را کہ یافتند سیاہ بہ آب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد ۴۰؎

اسی طرح اور نگزیب کے ذریعہ نغمہ و نشاط اور جشن پر عائد کی گئی پابندیوں کا تذکر کرتا ہے مگر پابندی کی وجہ نہیں بتاتا۔ وہ لکھتا ہے ”حضور اقدس کے تحت پر جلوہ افروز ہونے تک یہ رسم تھی کہ جشن نو

روز اور عیدین پر ایک جشن عظیم منعقد کیا جاتا تھا اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو عمدہ ملبوسات زیب تن کرنے کو کہا جاتا تھا۔ بڑی تعداد میں رقاصائیں اور مغنیہ جمع ہوتی تھیں۔ اچانک حضور اقدس کے دل میں کچھ خیال آیا اور انہوں نے بڑے پیانے پر ان جشنوں کی رسم کو موقوف کر دیا۔ ۱۲۱؎ بحیم سین جشن پر عائد پابندی کو مذہبی تناظر میں نہیں دیکھتا اور نہ ہی وجہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

بہت سے واقعات کے تعلق سے اس کے پاس معلومات کا فقدان تھا۔ مثلاً رانٹھور بغاوت کے بیان میں مرحوم راجہ جسونت سنگھ کے بیٹوں کے اسلام قبول کرنے کی بات کرتا ہے۔ ۱۲۲؎ مگر دوسرے ہم عصر ماخذ اس سے انکار کرتے ہیں۔ ۱۲۳؎ بحیم سین شہزادہ محمد اکبر کی بغاوت اور اجیت سنگھ و درگا داس رانٹھور کی اعانت نیز محمد اکبر کا راجپوتانہ سے درگا داس رانٹھور کے ہمراہ دکن کی طرف فرار، اور ان کا سنبھا کے ذریعہ پر تپاک استقبال کا ذکر مختصراً کرتا ہے۔ ۱۲۴؎ اور ساتھ ہی ساتھ اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ مغل سلطنت کے دشمن آپس میں اتحاد قائم کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے۔ شہزادہ محمد اکبر کی بغاوت کیونکہ مغل سلطنت کے خلاف تھی لہذا محمد اکبر بھاگ کر سنبھا کے پاس پہنچا جو مغل سلطنت کا دشمن تھا نیز سنبھا نے بھی اس کے آرام و آرائش کے تمام سامان مہیا کرائے تاکہ اتحاد قائم رہے۔

بحیم سین ہر سال کے وہ اہم واقعات تحریر کرتا ہے جس میں وہ بذات خود شریک رہا ہو یا اس کے مربی یا پھر ان سے وابستہ واقعات۔ بنیادی طور پر اس کی تاریخ دکن کے واقعات پر مرکوز ہے اس لئے دکن کے علاوہ رونما ہونے والے واقعات کو یا تو وہ تحریر نہیں کرتا اور اگر کرتا بھی ہے تو بہت اختصار کے ساتھ۔ بعض مرتبہ تو بحیم سین کا مقصد اپنے قاری کو صرف خبر دینا ہوتا ہے۔ جیسے وہ لکھتا ہے ”شاہجہاں صاحب قرآن ثانی اکبر آباد میں انتقال کر گئے۔“ ۱۲۵؎ یا پھر ”مہابت خان نے شیوا سے ہاتھ ملا لیا اور وہ واقعتاً اس کو تنبیہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ ۱۲۶؎ یا پھر ”شاہزادہ محمد سلطان قلعہ گوالیار کے قید خانے سے رہا ہو کر حضور اقدس کے پاس پہنچے اور ان کا انتقال ہو گیا۔“ ۱۲۷؎ یہاں بحیم سین شہزادے کے قید سے رہا ہونے کا تو ذکر کرتا ہے مگر قید میں ڈالنے کی وجوہات پر روشنی نہیں ڈالتا۔ بحیم سین کبھی کبھی نسخہء دلکشا میں تاریخ بھی لکھ دیتا ہے ورنہ سال بہ سال کے اہم واقعات لکھتا چلا جاتا ہے اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ واقعات کو

پوری ایمانداری اور صداقت کے ساتھ تحریر کر دے۔ وہ لکھتا ہے ”بھوشن گڑھ سے خواص پور جاتے ہوئے برسات اور دریائے مان میں سیلاب کے سبب کمپ میں کافی نقصان ہوا۔ کافی لوگ مارے گئے۔ حضور اقدس کی بھی سیدھی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اگرچہ علاج معالجے کی کوشش کی گئی مگر ٹانگ ٹھیک نہ ہو سکی۔“ ۴۸ مستعد خان نے سیلاب کی تباہ کاری اور نقصان کا تذکرہ کیا ہے مگر اورنگزیب کی ٹانگ ٹوٹنے کے متعلق نہیں لکھتا۔ ۴۹

بھیم سین نسخہء دلکشا میں بہت سے شہروں کے مکمل کوائف ان کی بنا اور وہاں کے حکمران خاندانوں کے متعلق بھی لکھتا ہے مثلاً جب وہ اورنگ آباد کا ذکر کرتا ہے تو بتاتا ہے ”اورنگ آباد کا اصل نام کھڑکی تھا جو ایک گاؤں تھا۔ اور یہیں پر نظام الملک نے ایک بڑا شہر (اورنگ آباد) آباد کیا۔ اس کے ایک امیر حبشی نے اس کے لئے محلات تعمیر کروائے۔“ ۵۰ بھیم سین جب احمد نگر کو دیکھتا ہے تو وہ یہاں کے باغات کی تعریف کئے بنا نہیں رہ پاتا۔ اور بتاتا ہے کہ ”بہشت باغ“ کو حسین نظام شاہ نے اور ”فرح باغ“ کو چاند بی بی بنت مرثضیٰ نظام شاہ بن حسین نظام شاہ نے تعمیر کروایا تھا۔ ۵۱ بھیم سین کے یہاں عادل شاہی، ۵۲ قطب شاہی، ۵۳ نظام شاہی ۵۴ اور بہمنی سلطنت ۵۵ کی تاریخوں سے متعلق مختصر بیان ملتے ہیں۔

بھیم سین برہان پور کا تذکرہ بڑی عقیدت و محبت سے کرتا ہے جو اس کی جائے پیدائش بھی تھا اور جہاں اس نے اپنا ابتدائی بچپن گزارا تھا۔ وہ یہاں کے قلعہ، شاہی محلات، دریا، بازار، اشیاء، باغات، پھل پھول، میوہ جات غرضیکہ ہر چیز کا تذکرہ بڑے خلوص سے کرتا ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے ”میری زبان خدا کی حمد و ثنا کرنے سے قاصر ہے، اے رب العالمین اس پرسکون شہر میں خوشحالی کو قائم رکھ اور اس کو پوری طرح آباد رکھنا۔“ ۵۶ جب وہ ناسک شہر کو دیکھتا ہے جو دریائے گوداوری کے کنارے آباد ہے تو یہاں کی مذہبی زندگی سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ پاتا۔ لکھتا ہے ”یہاں لوگ عبادت اور غسل کرنے آتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے دریائے گنگا پر مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں۔“ ۵۷

بھیم سین بنیادی طور پر ایک مذہبی شخص تھا اس لئے اس کو جہاں بھی کوئی ایسا مقام نظر آیا جہاں

انسان امن و سکون اور اطمینان قلب کے ساتھ عبادت و ریاضت کر سکے تو اس کا تذکرہ وہ ضرور کرتا ہے۔  
 بھیم سین جب متھرا اور ورننداؤن کی زیارت کرتا ہے تو بے اختیار اس کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں  
 اور کہتا ہے "ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں شری بھگوان (شری کرشن) اپنی راس لیلا نہ رچائیں جو ان کے  
 چاہنے والوں کی نظروں کی تسکین کا سامان ہے۔ اے غریبوں کے محافظ ہمیں ایک ایسا دل عطا کر کہ تیرے  
 چاہنے والے تیرے نام کو یاد کرنے اور اس کے ورد کرنے سے غافل نہ ہو سکیں۔ اور تیری یاد کے سہارے  
 خوشی سے جئیں۔ اور اس گنگا ر بندے (بھیم سین) پر رحم فرماتا کہ اسے تخریب سے پناہ اور سماجی بندھنوں  
 سے آزادی مل سکے۔" ۵۸۰

بھیم سین جب کانچی پورم کو دیکھتا ہے تو وہ یہاں کی مذہبی، سماجی و معاشی زندگی کا بھی بہ نظر  
 غائر مطالعہ کرتا ہے "کانچی سات پوری" میں سے ایک ہے۔ ان کو ہندی میں ایودھیا، متھرا، پریاگ،  
 کاشی، کانچی، اونٹیکا اور دواراوتی کہتے ہیں۔ یہ ساتوں مقامات روحانی عظمت میں ایک دوسرے پر  
 فوقیت رکھتے ہیں" ۵۹ اسی لئے پروفیسر حسن عسکری نسخہ دلکشا اور بھیم سین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے  
 ہیں "اس کی کتاب سے اس کی حساس طبیعت، مذہبی خوش اعتقادہی بلکہ کسی حد تک توہم پرستی کا بین ثبوت  
 ملتا ہے۔ راسخ العقیدہ ہندو ہونے کے باوجود وہ مذہبی عصبیت اور ہٹ دھرمی سے کوسوں دور تھا۔ ہندو  
 معابد، اوتار، پرستش گاؤ، حقائق کوہ پچھن وغیرہ کی تفصیلات کیساتھ ساتھ یکساں خلوص احترام سے مسلمان  
 صوفیوں اور بزرگان دین کے روضوں اور خانقاہوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔" ۶۰ بھیم سین جب گوالیار میں  
 شیخ عبدالغفور یا شیخ محمد خانؒ یا گلبرگہ میں سید محمد گیسو دراز کے روضوں کی زیارت کرتا ہے تو ان کے  
 مقبروں کی عمارت اور نذر و نیاز کے متعلق بھی عقیدت سے تحریر کرتا ہے۔ ۶۱

بھیم سین جب ایلورا کے غاروں کو دیکھتا ہے تو بے اختیار کہہ اٹھتا ہے "ذہن تصور نہیں کر سکتا  
 اور نہ ہی یقین کر پاتا ہے۔ یہ عمارتیں (غار) اور چیزیں تو صرف خدا ہی بنا سکتا ہے" ۶۲ پیر و مکمل  
 میں بھیم سین نے جب پہلی دفعہ سمندر کا نظارہ کیا تو اس ساحلی شہر کی مکمل تفصیلات اپنے قاری کو فراہم  
 کراتے ہوئے لکھتا ہے "یہاں پر بہت سی بندرگاہیں ہیں اور ڈچ و فرانسیسیوں کے مضبوط قلعے ہیں جن

میں وہ لوگ رہتے ہیں۔ ان کے پاس بہت سی بندوقیں۔ توپ خانہ جنگی ساز و سامان ہے۔ یہاں اچھی دکانیں کہیں نہیں ہیں۔ یہاں کے لوگوں کے پاس زراعت کی زمین نہیں ہے۔ اناج بنگال اور دیگر علاقوں سے بذریعہ جہاز آتا ہے۔ اور تاجر مہنگے داموں میں فروخت کر کے زیادہ منافع کماتے ہیں۔ بیجاپور، حیدرآباد اور تلنگ کی حکومتوں کے زمانے میں اس ملک میں وافر مقدار میں زراعت ہوتی تھی۔ اور اب شاہی افواج کے گزرنے کی وجہ سے بہت سے علاقے بنجر ہو گئے ہیں۔ جو لوگوں کی بد نصیبی اور استحصال کا سبب بنا ہے۔“ ۶۴

نصف دہائی میں جگہ جگہ اس دور کی مذہبی، سماجی اور معاشرتی زندگی یہاں تک کہ معاشی زندگی کے بارے میں تذکرے ملتے ہیں۔ بھیم سین جب ناسک کا تذکرہ کرتا ہے تو بھنڈارہ، پری کرما اور اشنان جیسی مذہبی رسوم کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔ ۶۵ وہ ایک طرف ہولی کے تہوار کا ذکر کرتا ہے ۶۶ تو دوسری طرف سنی کی رسم کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ ۶۷ وہ یہ جان کر بہت متعجب ہوتا ہے کہ مالا بار میں عورتیں تمام معاملات میں اختیار رکھتی ہیں۔ اس کی متجسس فطرت وہاں کی ہر جانکاری حاصل کرتی ہے وہ لکھتا ہے ”مالی وار (مالا بار) اور ادھر کی مملکت میں ایک راجہ ہے۔ لیکن وہاں ملک کے تمام معاملات میں عورتیں اختیار رکھتی ہیں۔ اس وجہ سے اس کو تری راج (استری راج) کہتے ہیں ہر آدمی دس یا گیارہ بیویاں رکھتا ہے۔ اور ہر بیوی دس یا گیارہ شوہر رکھتی ہے۔ اس ملک کی عورتیں خوبصورت ہیں۔ لباس اور کھانے کے معاملے میں یہاں کے لوگ کرناٹک سے بہتر ہیں۔ مالی وار کے ہاتھی زمین پر سب سے عمدہ ہیں۔“ ۶۸

بھیم سین نے جب حیدرآباد و بیجاپوری کرناٹک کا علاقہ دیکھا تو اس نے یہاں کی ایک ایک جزئیات کا بغور مشاہدہ کیا۔ اور عوام کی غذا، لباس، آمدنی، طبقاتی فرق وغیرہ سے متعلق تمام معلومات ہم کو فراہم کرادی نیز اس علاقے میں کثیر تعداد میں منادر تعمیر ہونے کی وجوہات بھی بیان کر دیں وہ لکھتا ہے ”ان مندروں کی تعمیر کی بنیادی وجہ اس ملک میں دولت کی افراط ہے۔ ہر سال یہاں چار فصلیں پیدا کی جاتی ہیں۔ اور زیادہ مالکداری (جس کا علم فرشتوں کو ہوگا) حاصل ہوتی ہے۔ یہاں کے سادہ لوگوں کے مصارف میری تحقیق کے مطابق بنا مبالغہ کچھ بھی نہیں۔ ان کی غذا معمولی چاول ہیں جو پانی میں ابال

لئے جاتے ہیں۔ بعد ازاں اس میں املی کارس اور تھوڑا سا نمک ڈال کر کھاتے ہیں۔ اس غذا کو یہاں کی مقامی زبان میں کنجی اور ٹیکم کہتے ہیں۔ اس علاقے میں گیبوں اور چنپا پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہاں کے باشندے ان کے نام بھی نہیں جانتے۔ یہاں کے لوگوں کا رنگ سیاہ، عورتیں بیماری اور بد صورت ہوتی ہیں۔ اگر یہاں کے لوگوں سے رات میں سامنا ہو جائے تو زیادہ تر لوگ دہشت سے مر جائیں۔ ایک شخص پر پورے سال میں بمشکل تمام پانچ یا چھ روپے خرچ ہوتے ہیں۔ تو پھر یہاں کی دولت کو کس طرح خرچ کیا جائے؟ زمانہ قدیم میں وہ غفلند لوگ تھے جو عیش و عشرت کی زندگی گزارنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے یہ دولت منادر تعمیر کرنے پر خرچ کی۔“ ۱۹۔

بھیم سین نسخہء دلکشا میں بعض اوقات محیر العقول اور نادرا وجود واقعات بھی قارئین کی دلچسپی کے لئے تحریر کر جاتا ہے۔ وہ سیلون کی ایک عجیب و غریب اور ناقابل اعتبار مخلوق کے بارے میں یوں رقمطراز ہے ”یہاں ایک ایسی مخلوق پائی جاتی ہے جس کا جسم انسان کا اور چہرہ گھوڑے کی طرح، سورا اور گدھے کی طرح ہوتا ہے۔“ ۲۰۔ بھیم سین پرندر کے قلعہ کے قریب آم کا ایک عجیب و غریب درخت دیکھتا ہے۔ جس کی شاخیں اصل درخت سے باہر نکلی ہوئی تھیں جو زمین تک پہنچتی تھیں اور پھر زمین سے دوبارہ نکل رہی تھیں، بالکل برگد کے درخت کی طرح۔ لیکن یہ زیادہ اونچا نہ تھا۔ اس طرح کی شے اس نے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ بھیم سین نے اس درخت کا بیج حاصل کرنے کی بھی کوشش کی مگر اسے بیج نہ مل سکا۔ ۲۱۔ ایک جگہ لکھتا ہے ”سنگم نیر میں چاول کے ایک کھیت میں تین دن تک ایک دھان کے پودے سے دودھ کا فوارہ ابل پڑا۔ ہم اس نظیر سے خدا کی قدرت اور طاقت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔“ ۲۲۔ یا پھر ”بنگال میں آسمان سے گیبوں کی بارش ہوئی جو خدا کے کرشموں میں سے ایک کرشمہ ہے۔“ ۲۳۔ بھیم سین کے مطابق شیوا کی موت جان محمد درویش کی بددعا کی وجہ سے ہوئی تھی جن کو اس نے پریشان کیا تھا۔“ ۲۴۔

بھیم سین کے نزدیک مرہٹے ”سیاہ بخت، ۲۵۔ جماعت مخاذیل، ۲۶۔ کوکب ملاعین، ۲۷۔ مفسدان، ۲۸۔ مقہوران، ۲۹۔ شوریدہ بختان، ۳۰۔ جماعت مردودان، ۳۱۔ گروہ اشتیاء، ۳۲۔ کا درجہ

رکھتے تھے۔ اور اسی لئے وہ ان کو ”بجنم واصل“ کرتا ہے۔ ۵۳ اس کے نزدیک سنبھا جہنمی، ۵۵ سنتا ناسردار مقہور و مردو، ۵۶ دھنا شتی، ۵۷ نیما بد مال ۵۸ تھے۔ تو دوسری طرف ”شیوا مقہور“ اس کے نزدیک ”مرد صالح“ اور سپاہی ”بے نظیر“ تھا۔ جسے اپنی فوج کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ اور وہ ”مصلحت، تدبیر نیک اور عیاری“ سے خوب واقف تھا۔ جس نے ہر جگہ عمارات اور قلعہ جات تعمیر کروائے تھے اور خزانے حاصل کئے تھے اور جس نے اپنی جماعت کے ساتھ ہر جگہ ملک کو ”تاخت و تاراج“ کیا تھا۔ ۵۹ اسی کے ساتھ بھیم سین یہ بھی لکھتا ہے کہ شیوا اہل ہند پر ”کمتر اعتماد“ کیا کرتا تھا۔ ۹۰

بھیم سین افراد کے کردار کا خاکہ بڑے معروضی انداز میں پیش کرتا ہے چاہے وہ مغل دشمن ہوں یا دوست۔ حالانکہ مغل دشمن اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے مگر پھر بھی ان کے کردار کے اچھے اوصاف کی وہ تعریف کئے بنا نہیں رہتا۔ ملک عنبر کے متعلق لکھتا ہے ”ملک عنبر ایک تجربہ کار شخص تھا اور فن حرب میں مہارت رکھتا تھا۔ انتظامی مہارت اور امن و انصاف کے لئے اس کی محبت کا کوئی موازنہ نہ تھا۔“ ۹۱ دتا جی جادوں اس کے نزدیک ”بے مثال سپاہی اور جنگجو“ تھا۔ ۹۲ مرزا راجہ بے سنگھ کی موت پر بھیم سین نہایت خلوص و احترام کے ساتھ خراج عقیدت پیش کرتا ہے ”وہ (مرزا راجہ بے سنگھ) اخلاق کریمہ میں بے نظیر تھے۔ اپنی کریم النفسی، سخاوت و فیاضی سے لوگوں کو بے حد فیض پہنچاتے تھے۔ ان ہی حلیمانہ اوصاف کی وجہ سے لوگ ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ان کی علمی لیاقت اعلیٰ تھی۔ فارسی و ترکی زبانوں پر انھیں عبور حاصل تھا۔“

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق      ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما ۹۳

امیر الامراء شائستہ خان کے متعلق رقمطراز ہے ”ان کے اعلیٰ معیار کے حسن عمل کی وجہ سے ان کے نوکر رشوت قبول کرنے سے نفرت کرتے تھے۔“ ۹۴

کچھ واقعات کے سلسلے میں بھیم سین کی یادداشت اسے دھوکا دیتی نظر آتی ہے اور کبھی کبھی اس

کی عدم معلومات کا احساس بھی ہوتا ہے۔ بھیم سین کے بقول حبشی مرجان کی موت بارود میں آگ لگنے سے واقع ہوئی اور یہ حادثہ قلعہ پر نیدا میں وقوع پذیر ہوا تھا۔<sup>۹۵</sup> جبکہ یہ واقعہ قلعہ بیدر میں پیش آیا تھا نہ کہ پر نیدا میں۔<sup>۹۶</sup> اسی طرح وہ لکھتا ہے کہ مرزا راجہ جے سنگھ کی ترغیب پر شیوا نے ۲۴ قلعے مغلوں کے حوالے کئے۔<sup>۹۷</sup> حالانکہ شیوا نے ۲۳ قلعے مغلوں کے سپرد کئے اور دس لاکھ ہن زر مساعده کے ادا کئے۔<sup>۹۸</sup> بھیم سین کے بقول شیوا کا انتقال ۲۱ ویں سال جلوس عالمگیری میں ہوا۔<sup>۹۹</sup> جبکہ شیوا کا انتقال ۲۳ ویں سال جلوس عالمگیری میں ہوا تھا۔<sup>۱۰۰</sup> بھیم سین کے بموجب ساہو پسر سنجیا کو خطاب راجگی سے ممتاز کیا گیا۔<sup>۱۰۱</sup> مستعد خان کے بقول ”ساہو سنجیا کا ۹ سالہ فرزند اکبر ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب خطاب راجگی و خلعت و جواہر مرصع و آرسی واسپ و فیل و نقارہ علم حاصل کر کے معزز راجگان کے زمرے میں داخل ہوا۔“<sup>۱۰۲</sup>

بھیم سین نسخہء دلکشا میں بہت سے افراد کا شجرہ تحریر کرتا ہے ساتھ ہی ساتھ ان اشخاص کے متعلق یہ بھی بتاتا ہے کہ ان کے جد اعلیٰ کہاں سے آئے تھے۔ وہ اورنگ زیب کا شجرہ صاحب قرآن امیر تیمور تک قلمبند کرتا ہے اور ساتھ میں یہ وضاحت کر دیتا ہے کہ مکمل شجرہ حضرت آدم تک ابوالفضل نے اکبر نامہ میں قلمبند کیا ہے۔<sup>۱۰۳</sup> بھیم سین عموماً جب کسی منصبدار کا ذکر کرتا ہے تو اس کی ولدیت اور منصب ضرور لکھتا ہے۔ گرو گو بند سنگھ کے متعلق رقمطراز ہے کہ وہ گرو نائک کی اولاد میں سے ہیں جو افغانوں کے عہد سلطنت میں مشہور ہوئے تھے اور جن کی کتاب توصیف و توحید باری تعالیٰ سے متعلق ہے۔<sup>۱۰۴</sup>

نسخہء دلکشا عہد اورنگ زیب کی تاریخ خاص طور پر مرہٹہ اور دکن کے تفصیلی حالات جاننے کا ایک اہم ذریعہ ہے جو ایک ہم عصر ہندو مورخ کے قلم سے لکھی گئی ہے۔ جو راؤ دلپت بندیلہ سے وابستگی سے قبل شاہی ملازمت میں تھا۔ بھیم سین نے سال بہ سال جو کچھ دیکھا یا سنا اس کو بڑی ایمانداری اور خلوص سے سپرد قلم کر دیا۔ دکن کی بہت سی مہمات میں تو وہ بذات خود شریک کار رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کافی حد تک صحیح اور مستند معلومات حاصل کرنے نیز ان کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے میں کامیاب رہا۔ مغلوں کا

موروثی سرکاری عہدہ دار ہونے کے سبب بھیم سین نے اپنی زندگی مغل شہروں اور دکن کے کوچ میدانوں میں گزاری تھی نیز اس کماری سے دہلی تک بہت سے مقامات کی سیر کی تھی، بہت سے اعلیٰ مغل عہدیداروں سے واقفیت اور بہت سے واقعات میں اس کی نمایاں طور پر شرکت رہی تھی۔ اس نے اورنگزیب کے دور کو ایک ہم عصر ہندو کی نظروں سے دیکھا۔ وہ مغل عہدیداروں کے اتنے نزدیک تھا کہ واقعات صحیح طور پر سمجھ سکے لیکن تخت شاہی سے اتنا نزدیک نہ تھا کہ دروغ گو خوشامدیوں میں شامل ہو جائے۔ وہ جانتا تھا کہ سچ کیا ہے اور سچ بولنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ اس نے بہت سی ایسی معلومات فراہم کر دی ہیں جو اورنگزیب کے دور کی مکمل سرکاری تاریخ میں نہیں ملتی ہیں۔ جیسے واقعات کے اسباب و نتائج، ملک کی حالت، عوام کی حالت اور ان کی تفصیلات، غذائی اشیاء کی قیمتیں، سڑکوں کی حالت، سرکاری طبقے کی سماجی زندگی، دکن میں مغل جنگ و جدل کے واقعات وغیرہ اس عیب کے باوجود کہ تاریخوں کا تسلسل قدرے غلط ہے یہ کتاب شیواجی کے دور کی مراہٹہ تاریخ کے واسطے بھی بڑی قابل قدر ہے۔ ۱۰۵

بھیم سین کے خاندان کے اعلیٰ مغل امراء و عہدیداروں سے اچھے تعلقات تھے جس وجہ سے اس کو صحیح اور بہتر معلومات حاصل کرنے کے عمدہ ذرائع موجود تھے اور وہ خود بھی اچھی تاریخی نظر رکھتا تھا۔ وہ تاریخ کسی انعام یا منصب کے لالچ میں نہیں لکھ رہا تھا بلکہ اپنے قلبی سکون کی خاطر لکھ رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے محسنوں پر بھی تنقید کرنے میں کوئی تذبذب نہ تھا۔ مہاراجہ جسونت سنگھ جو بھیم سین کا مربی و محسن تھا، جس نے متعدد بار بھیم سین کی مالی اعانت کی تھی، ۱۰۶ء کے بارے میں یہ لکھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ شاہزادہ محمد معظم اور دلیر خان کے درمیان ہوئے تنازعہ میں مہاراجہ جسونت سنگھ کا ہاتھ تھا۔ اسی لئے مہاراجہ کو شاہزادہ کی خدمت سے معزول کر کے گجرات تبادلاً کر دیا تھا۔ ۱۰۷ء اس کی تنقید سے اورنگزیب بھی نہ بچ پایا۔ بھیم سین اورنگزیب کی ملک گیری و فتوحات حاصل کرنے کی پالیسی کے باعث سلطنت میں آئی خرابیوں کو بھی معروضی نقطہ نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ ۱۰۸ء وہ صرف مورخ ہی نہ تھا بلکہ ایک مبصر اور ناقد بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بھیم سین نے جیسا دیکھا اور محسوس کیا اس کو بغیر کسی تذبذب کے

صفحہ قرطاس کے حوالے کر دیا جو اس کے ایماندار ہونے کا بین ثبوت ہے۔ نسخہء دلکشا میں اگر ایک طرف امراء کے تقرر، رد و بدل، ان کی ترقی و تنزلی، منصب میں کمی و زیادتی سے متعلق معلومات ملتی ہیں، تو دوسری طرف عوام کی سماجی و مذہبی، عقائد و رسومات سے متعلق بھی مواد ملتا ہے۔ بحیم سین لگ بھگ تمام مرہٹہ لیڈروں کے متعلق نسخہء دلکشا میں لکھتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ہمیں دکن کے بعض مقامات کی جغرافیائی کیفیت سے مطلع کرتا ہے۔ بحیم سین کا اصل موضوع بنیادی طور پر فوجی مہمات اور ان کی مشکلات ہیں۔ مگر وہ اصل موضوع سے ہٹ کر عوام کی غذا، اناج کی قلت، دکن کے عوام کا طرز معاشرت، سماجی و مذہبی رسومات کے تئیں بھی تفصیل فراہم کرتا نظر آتا ہے۔

نسخہء دلکشا کا طرز بیان سلیس اور عام فہم ہے بحیم سین واقعات کے بیان کرنے میں غلط بحث کا مرتکب نہیں ہوتا جو ایک مورخ کا ضروری وصف ہے۔ نسخہء دلکشا میں بعض جگہ "مقدمات دیگر، ۱۰۹ بعض احوال، ۱۱۰ دیگر کوائف، ۱۱۱ حالات دیگر، ۱۱۲ دیگر رویداد، ۱۱۳ واقعات دیگر، ۱۱۴ بعض رویداد، ۱۱۵ واقعات وحشت پڑوہ، ۱۱۶ کج بازی فلک خدار ۱۱۷ کے تحت اکثر بڑے کام کی باتیں موجود ہیں۔ جو اس کے طرز کی ایک اہم خاصیت ہے۔" واقعات و سانحات تو کئی جگہ تحریری شکل میں مل سکتے ہیں، لیکن اقتصادی، معاشرتی، مذہبی اشارات، شہر و عمارات کی تصویر کشی، ایک عہد سے دوسرے عہد کا تقابل یہ باتیں عام فارسی تاریخوں میں مفقود نہیں تو عمیر الحصول ضرور ہیں۔ بحیم سین کی کتاب ان مخصوصات کی بہت حد تک حامل ہے۔ ۱۱۸

بحیم سین اپنی تحریر کو خوبصورت بنانے کے لئے عام طور پر واللہ اعلم بالصواب، ۱۱۹ شان و شوکت بارگاہ سلیمانی، ۱۲۰ انشاء اللہ تعالیٰ، ۱۲۱ خدا نخواستہ، ۱۲۲ رب العزت، ۱۲۳ بتوکل تبارک تعالیٰ ۱۲۴ اور خضر ۱۲۵ جیسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جس سے اس کی اسلامی معلومات نیز مسلمانوں سے بھر پور اختلاط بھی ظاہر ہوتا ہے۔ بحیم سین نسخہء دلکشا میں جگہ جگہ نہایت موزوں اشعار و رباعی کا استعمال کرتا ہے جو عام طور پر پند و نصائح سے بھر پور ہوتے ہیں اور اس کی شخصیت و کردار کی غمازی بھی کرتے ہیں۔

دنیا مطلب کہ سیم وزر چیزے نیست در چشم خرد لعل و گوہر چیزے نیست  
در ہر چہ نظر کنے خدا جلوہ گراست یعنی کہ بجز خدا اگر چیزے نیست ۱۲۶

اشعار کے علاوہ اپنی تحریر کو اور زیادہ جاذب نظر بنانے کے لئے بھیم سین متعدد ہندی کے الفاظ بھی جا بجا استعمال کرتا نظر آتا ہے۔ جیسے ریوڑی ۱۲۷ (مٹھائی)، بھنڈارہ ۱۲۸ (لنگر)، پری کرما ۱۲۹ (ہندوؤں کی عبادت کا ایک طریقہ)، ابھایا پتر ۱۳۰ (قول نامہ)، باولی ۱۳۱ (حوض)، گڈی، ۱۳۲ بن مانس ۱۳۳ کند ۱۳۴ (تالاب)، جھاڑی، ۱۳۵ لنگی، ۱۳۶ سنیا سی، ۱۳۷ اوتار، ۱۳۸ بھوگ ۱۳۹ (نذرانہ)، بیراگی ۱۴۰ (فقیر)، رتھ ۱۴۱ (ایک قسم کی گاڑی جس کو گھوڑے کھینچتے ہیں) وغیرہ وغیرہ۔

بھیم سین نے دکن کی مغل فوج کے ایک ”مشرف“ کی حیثیت سے امراء اور اعلیٰ منصبداروں سے دوستی کے سبب صحیح و مستند معلومات اور بہت سے سرکاری پوشیدہ معاملات سے متعلق جانکاری حاصل کی اور اس طرح وہ مغل سرکار کی تاریخ کی مبالغہ آرائی اور حقائق سے چشم پوشی کے عیب سے مستثنیٰ رہا۔ بھیم سین کو حقائق کا علم تھا اور اسے بتانے کی ہمت بھی اس میں تھی۔ اس نے بہت سے ہم عصر افراد کا خاکہ کھینچا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس نے بحیثیت ہندو سنجیدہ ذہن کے عہد اور نگزیب کے واقعات کو غیر جانبدارانہ انداز میں دیکھا اور ان کے صحیح اثرات اور وجوہات کو بیان کیا۔ ان سب سے بڑھ کر اس نے دکن میں مغلوں کی بہت سی جنگوں کے متعلق قیمتی و اہم معلومات دی ہیں۔ حقیقتاً ان تفصیلی معلومات کا صرف وہی ایک ذریعہ ہے۔ ۱۴۲

بھیم سین شفیق و مہربان، سیدھا سادہ، اعلیٰ صحبتوں کا شائق، پرسکون و مطمئن، سماجی رنگ رلیوں کا دلدادہ، لیکن غم و اندوہ سے وابستہ ایک دلفریب شخصیت کا مالک تھا۔ جو ہمیشہ یکسوئی اور سکون کا متلاشی تھا تا کہ عبادت و ریاضت میں منہمک ہو سکے۔ جو زندگی بھر گوشہء عافیت کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ جس کے دل کو دنیا کی رنگینیاں بھی اپنا گرویدہ نہ کر سکیں۔ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک محاذ سے دوسرے محاذ پر تعینات ہوتا رہا اور پورے دکن کی خاک چھانی۔ بھیم سین جس کا مشاہدہ بہت تیز تھا جو زبردست سیاسی، سماجی اور معاشی فہم و ادراک کا مالک تھا، اس نے صرف تاریخ ہی قلمبند نہ کی بلکہ

واقعات و حادثات کے اسباب و عوامل کو بھی محسوس کیا تھا۔ جس نے مغل حکومت کی کمزوری کی بنیادی وجہ کو سمجھ لیا تھا۔ یعنی مغلوں کا دکن میں انتہائی دور دراز علاقوں کو فتح کرنا۔ بالفاظ دیگر سلطنت کی توسیع کرنا۔ جس کے باعث منصبداروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ اور ان منصبداروں میں بھییم سین کو کوئی بھی ایسا منصب ارنظر نہ آیا جو دکن کے معاملات کی کما حقہ سمجھ رکھتا ہو اور یہاں کے حالات کو قابو میں کرنے کی صلاحیت کا مالک ہو۔ بلکہ وہ تو بھییم سین کو بدعنوانیوں کا شکار ملے جو عوام کے استحصال کا باعث تھے۔

بھییم سین جو تاریخ کو ذاتی سکون کی خاطر لکھ رہا تھا۔ جس کا مقصد نہ تو اپنی تاریخ کے ذریعہ انعام و اکرام حاصل کرنا تھا اور نہ ہی کوئی عہدہ و منصب اور نہ ہی کسی کو خوش کرنا تھا۔ بلکہ اپنے محسوسات، مشاہدات اور تجربات کو ضبط تحریر میں لانا تھا۔ بھییم سین وسیع المشرّب ہی نہیں بلکہ وسیع النظر بھی تھا۔ اسے جب بھی کوئی انوکھی اور نادر چیز نظر آئی چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان تو اس کے پرتجسس ذہن نے اس کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا اور اپنے احساسات کو سپرد قلم کر دیا۔ نسخہء دلکش باوجود اپنی معمولی خامیوں کے عہد اور نگزیب کے دکن کی تاریخ اور خاص طور پر مرہٹہ تاریخ جاننے کے لئے ایک بہت ہی قیمتی ماخذ کا رُجہ رکھتی ہے۔ اور جو ہندو مسلم اتحاد، محبت و اخوت اور رواداری کا حسین مرقع بھی ہے۔

## حواشی:

- ۱۔ سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، لاہور ۱۹۶۷ء، ص ۸-۹
- ۲۔ جگدیش نرائن سرکار، ہسٹری آف ہسٹری رائٹنگ ان میڈیول انڈیا، کلکتہ ۱۹۷۷ء، ص ۵۲
- ۳۔ بھییم سین، نسخہء دلکش، رونیوگراف R-43، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۸ الف
- ۴۔ ایضاً، ص ۳۸ الف
- ۵۔ ایضاً، ص ۱۵ ب
- ۶۔ ایضاً، ص ۲۱ ب، ۲۲ الف
- ۷۔ ایضاً، ص ۳۹ الف
- ۸۔ ایضاً، ص ۴۰ الف
- ۹۔ ایضاً، ص ۱۰۱ الف ب

- ۱۰۔ نسخہ دکشا، ص ۱۲۶ الف
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۶ ب، ۱۲۷ الف
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲۸ الف
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۱۷۳ الف ب
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۱۷۳ ب
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۱۷۴ ب
- ۱۶۔ سید حسن عسکری، ہندوستان کے عہد وسطی پر مقالات، پٹنہ ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۸
- نسخہ دکشا، ص ۲۰ ب، ۲۵ الف ب، ۵۲ ب، ۵۳ الف، ۸۳ الف ب، ۶۰ ب، ۴۵ ب، ۱۰۱ ب
- ۱۷۔ نسخہ دکشا، ص ۱۱ الف
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۱۳۵ الف
- ۱۹۔ ایضاً، ص ۵ الف
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۷ الف
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۳ الف
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۶ الف
- ۲۳۔ ایضاً، ص ۷ الف
- ۲۴۔ ایضاً، ص ۸ الف ب، ۹ الف
- ۲۵۔ ایضاً، ص ۱۰ الف ب
- ۲۶۔ ایضاً، ص ۷۳ الف
- ۲۷۔ ایضاً، ص ۱۶ ب، تفصیل کے لئے دیکھئے: ساقی مستعد خاں، مآثر عالمگیری۔ مترجم مولوی فدا علی طالب کراچی ۱۹۶۲ء، ص ۲۸، محمد کاظم، عالمگیر نامہ، کلکتہ ۱۸۶۸ء، ص ۱۰۶-۱۰۷، ایشور داس ناگر، فتوحات عالمگیری، رونیو گراف R-43، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۲۴ ب، مگر ایشور داس گرمی کی شدت کی بات نہیں کرتا۔
- ۲۸۔ نسخہ دکشا، ص ۱۲ ب، تفصیل کے لئے دیکھئے۔ فتوحات عالمگیری، ص ۱۸ الف، ۳۱ الف، عاقل خاں رازی، واقعات عالمگیری، دہلی ۱۹۴۵ء، ص ۱۳-۱۴، شیخ ابوالفتح قابل خاں، آداب عالمگیری، جلد اول، لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۳۷۴۔

۲۹۔ نسخہ دکشا ص ۲۰ الف، تفصیل کے لئے دیکھئے داراشکوہ سے متعلق: عالمگیر نامہ ص ۳۳۲-۳۳۵  
فرانس بریجر، نریولس ان دی مغل ایمپائر، دہلی ۱۹۹۳ء، ۹۸-۱۰۲، نکولاؤ منوچی، اسٹوریا ڈو  
مغور، جلد اول، دہلی ۱۹۹۰ء، ص ۳۵۴-۳۵۸، خانی خان، منتخب اللباب، جلد دوم، کلکتہ ۱۹۲۵ء،  
ص ۸۱۔

مراد کے متعلق: فتوحات عالمگیری ص ۳۲ ب، عالمگیر نامہ ص ۱۳۸، ۶۰۳، اسٹوریا، جلد اول  
ص ۳۰۰، ۳۸۲-۳۸۳، خانی خان، جلد دوم ص ۳۷، جادو ناتھ سرکار، ہسٹری آف  
اورنگزیب، جلد دوم، ص ۲۷۳، سبلی نعمانی، اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر، دہلی ص ۹۷۔

۳۰۔ نسخہ دکشا ص ۲۴ الف ب

۳۱۔ دیکھئے مآثر عالمگیری، ص ۶۲-۶۳، خانی خان، جلد دوم ص ۱۷۲، بریجر ص ۱۸۷، اسٹوریا  
جلد دوم ص ۱۰۴-۱۰۶، فتوحات عالمگیری ص ۵۱ ب

۳۲۔ نسخہ دکشا ص ۲۵ الف

۳۳۔ خانی خان، جلد دوم ص ۱۷۵

۳۴۔ نسخہ دکشا ص ۳۱ الف

۳۵۔ ایضاً ص ۳۱ الف

۳۶۔ خانی خان، جلد دوم ص ۲۰۱

۳۷۔ نسخہ دکشا ص ۱۳ ب، الف

۳۸۔ حسن عسکری ص ۱۳۸، جادو ناتھ سرکار جلد چہارم ص ۳۱

۳۹۔ نسخہ دکشا ص ۳۹ ب

۴۰۔ ایضاً ص ۹۷ ب، تفصیل کے لئے دیکھئے: مآثر عالمگیری ص ۳۱۱-۳۱۲، خانی خان جلد دوم ص  
۳۹۰-۳۹۱، فتوحات عالمگیری ص ۱۵۴ ب۔

۴۱۔ نسخہ دکشا ص ۳۲ الف

۴۲۔ ایضاً ص ۷۶ الف

۴۳۔ فتوحات عالمگیری ص ۷۵ الف

۴۴۔ نسخہ دکشا ص ۷۹ الف

۴۵۔ ایضاً ص ۲۷ ب

۴۶۔ ایضاً ص ۵۲ الف

۴۷۔ نسخہ دکشا ص ۴۰ ب

- ۴۸- ایضاً ص ۱۳۳ ب
- ۴۹- آثار عالمگیری ص ۳۹۹
- ۵۰- نسخہ دلکشا ص ۸ ب ۹، الف
- ۵۱- ایضاً ص ۳۶ الف
- ۵۲- ایضاً ص ۶۲ الف
- ۵۳- ایضاً ص ۱۱ ب
- ۵۴- ایضاً ص ۴۷ الف
- ۵۵- ایضاً ص ۱۳۱ الف
- ۵۶- ایضاً ص ۷ الف ب ۸، الف
- ۵۷- ایضاً ص ۲۲ الف
- ۵۸- ایضاً ص ۱۲۹ ب
- ۵۹- ایضاً ص ۱۰۴ ب ۱۰۵، الف
- ۶۰- حسن عسکری ص ۱۳۶
- ۶۱- نسخہ دلکشا ص ۱۲۶ ب
- ۶۲- ایضاً ص ۷۰ الف ب
- ۶۳- ایضاً ص ۲۳ ب
- ۶۴- ایضاً ص ۱۱۴ الف ب
- ۶۵- ایضاً ص ۲۲ الف ب ۲۳، الف
- ۶۶- ایضاً ص ۵۹ ب
- ۶۷- ایضاً ص ۶۷ ب ۷۸، الف ۳۷ ب
- ۶۸- ایضاً ص ۱۱۵ ب
- ۶۹- ایضاً ص ۱۱۳ الف ب ۱۱۴، الف
- ۷۰- ایضاً ص ۱۱۶ الف
- ۷۱- ایضاً ص ۱۴۲ ب
- ۷۲- ایضاً ص ۱۵۴ الف

- ۷۳- ایضاً ص ۱۵۰ ب
- ۷۴- ایضاً ص ۷۶ ب
- ۷۵- ایضاً ص ۲۴ ب
- ۷۶- ایضاً ص ۱۵۱ الف، ۳۹ ب، ۱۰۹ ب، ۱۳۰ الف وغیرہ
- ۷۷- ایضاً ص ۵۸ ب
- ۷۸- ایضاً ص ۹۲ ب، ۱۰۳ الف، ۱۱۳ الف
- ۷۹- ایضاً ص ۹۹ الف
- ۸۰- ایضاً ص ۱۰۰ ب، ۱۰۵ ب
- ۸۱- ایضاً ص ۱۳۵ الف، ۱۵۱ الف
- ۸۲- ایضاً ص ۱۳۸ الف
- ۸۳- ایضاً ص ۲۱ الف، ۳۳ الف، ۱۰۹ الف، ۱۱۳ الف وغیرہ
- ۸۴- ایضاً ص ۱۵۵ الف، ۱۶۱ الف
- ۸۵- ایضاً ص ۱۵۸ ب
- ۸۶- ایضاً ص ۱۰۸ ب، ۱۱۱ ب، ۱۱۷ الف
- ۸۷- ایضاً ص ۱۵۷ الف
- ۸۸- ایضاً ص ۱۴۹ الف
- ۸۹- ایضاً ص ۷۶ ب، ۷۷ الف
- ۹۰- ایضاً ص ۶۳ الف
- ۹۱- ایضاً ص ۹ الف
- ۹۲- ایضاً ص ۲۹ ب
- ۹۳- ایضاً ص ۳۲ ب، ۳۳ الف
- ۹۴- ایضاً ص ۲۱ ب
- ۹۵- ایضاً ص ۱۱ ب
- ۹۶- سرکار، تاریخ اور نگزیب، جلد اول و دوم ص ۲۴۰-۲۴۱
- ۹۷- نسخہ دکنشاص ۲۸ الف ب

- ۹۸۔ خانی خان، جلد دوم ص ۶۶، عالمگیر نامہ، ص ۹۰۳، مآثر عالمگیری ص ۷۰
- ۹۹۔ نسخہء دلکشا ص ۷۴ الف
- ۱۰۰۔ مآثر عالمگیری ص ۲۱۳، خانی خان جلد دوم ص ۲۷۱
- ۱۰۱۔ نسخہء دلکشا ص ۹۸ ب
- ۱۰۲۔ مآثر عالمگیری ص ۳۱۹
- ۱۰۳۔ نسخہء دلکشا ص ۸ الف
- ۱۰۴۔ ایضاً ص ۱۶۹ الف
- ۱۰۵۔ محبت الحسن، ہندوستان دور وسطی کے مؤرخین، دہلی ۱۹۸۵ء، ص ۳۲۳
- ۱۰۶۔ نسخہء دلکشا ص ۴۰ الف ب، ۵۱ الف ب
- ۱۰۷۔ ایضاً ص ۵۰ الف
- ۱۰۸۔ ایضاً ص ۱۳۲ ب، ۱۵۶ ب، ۱۳۹ ب
- ۱۰۹۔ ایضاً ص ۴۱ ب، ۵۱ الف، ۹۱ الف، ۱۰۰ الف
- ۱۱۰۔ ایضاً ص ۴۹ الف
- ۱۱۱۔ ایضاً ص ۸۱ الف
- ۱۱۲۔ ایضاً ص ۸۴ الف
- ۱۱۳۔ ایضاً ص ۹۷ ب
- ۱۱۴۔ ایضاً ص ۱۰۵ ب
- ۱۱۵۔ ایضاً ص ۶۲ الف
- ۱۱۶۔ ایضاً ص ۶۰ الف
- ۱۱۷۔ ایضاً ص ۶۰ الف
- ۱۱۸۔ حسن عسکری ص ۱۲۷
- ۱۱۹۔ نسخہء دلکشا ص ۲۵ الف
- ۱۲۰۔ ایضاً ص ۳۱ الف
- ۱۲۱۔ ایضاً ص ۴۰ ب
- ۱۲۲۔ نسخہء دلکشا ص ۱۱۱ ب

- ۱۲۳۔ ایضاً ص ۱۱۷ الف
- ۱۲۴۔ نسخہ وکٹشاص ۱۵۳ الف
- ۱۲۵۔ ایضاً ص ۵ الف، ۶۲ الف، ۶۳ الف
- ۱۲۶۔ ایضاً ص ۳۸ ب
- ۱۲۷۔ ایضاً ص ۱۵ ب
- ۱۲۸۔ ایضاً ص ۲۲ الف
- ۱۲۹۔ ایضاً ص ۲۲ ب
- ۱۳۰۔ ایضاً ص ۲۷ الف
- ۱۳۱۔ ایضاً ص ۴۶ الف
- ۱۳۲۔ ایضاً ص ۵۹ ب
- ۱۳۳۔ ایضاً ص ۱۰۳ ب
- ۱۳۴۔ ایضاً ص ۱۰۵ الف
- ۱۳۵۔ ایضاً ص ۱۲۰ الف، ۱۳۲ ب
- ۱۳۶۔ ایضاً ص ۱۱۳ ب
- ۱۳۷۔ ایضاً ص ۱۲۰ الف
- ۱۳۸۔ ایضاً ص ۱۲۱ الف
- ۱۳۹۔ ایضاً ص ۱۲۰ ب
- ۱۴۰۔ ایضاً ص ۱۲۰ ب
- ۱۴۱۔ ایضاً ص ۱۲۱ الف
- ۱۴۲۔ جادو ناتھ سرکار، اسٹڈیز ان اورنگزیب رین، انگریزی، کلکتہ ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۱



ہندوستانی فارسی تاریخ نگاری میں

# منشی سبحان رائے بٹالوی کا حصہ

خلاصۃ التواریخ کے حوالے سے

ڈاکٹر علیم اشرف خاں

شعبہ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

تاریخ میں ہر دور اپنی چند ممتاز خصوصیات کے باعث کچھ امتیازات رکھتا ہے، اگر ہم مملوک عہد کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں ہندوستان میں فارسی زبان میں لکھی جانے والی پہلی تاریخ تاج المآثر نظر آتی ہے جسے صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نے ہندوستان میں رہ کر سپرد قلم کی تھی اور اس کے بعد مختلف عمومی اور علاقائی تاریخوں کا منظر نامہ شروع ہو جاتا ہے، جنہوں نے بالواسطہ طریقہ سے عہد وسطیٰ کی مرکزی اور درباری تاریخوں سے لوہا لے کر اپنی استناد کی مہر ثبت کی ہے۔

عہد وسطیٰ میں جہاں منشی گری کی روایت کا تعلق ہے وہ فہرست چندر بھان برہمن کے بغیر ناقص ہے۔ نیز اس کی فارسی خدمات کو سراہے بغیر اس کے اس عہد سے گزرنانا ممکنات کے زمرے میں آتا ہے۔

مغلوں کے آخری دور میں منشی سبحان رائے بٹالوی کا نام فارسی تاریخ نگاری کے پردے پر زریں قلم سے منقش دکھائی دیتا ہے جنہوں نے نہ صرف فن تاریخ نگاری میں گرانقدر اضافہ کیا بلکہ فارسی تاریخ نگاری کی روایت کو نہایت آب و تاب سے جلایکشی ہے اور اسی باعث اپنی دقیق اور اہم اطلاعات کے سبب خلاصۃ التواریخ، فارسی تاریخ نگاری میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہے۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ عہد مغلیہ میں غیر مسلم حضرات میں خاص طور سے کاسٹھ اور کھتری حضرات نے فارسی کے حوالے سے جو بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ آج بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ انہی لوگوں میں خلاصۃ التواریخ کے مؤلف سبحان رائے بٹالوی بھی شامل ہیں جو ذات کے کھتری تھے اور انکا پیشہ مصدقہ

یامشی گری تھا، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کابل کا سفر کیا تھا اور ٹھٹھہ اور پنجور کی سیر و سیاحت بھی کی تھی۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کا قول ہے "سبحان رائے بنالوی ۱۱۱۰ھ ہجری تک شاہی ملازمت سے مستعفی ہو چکا

تھا۔"

ایک اور جگہ پروفیسر نور الحسن انصاری نے اپنی کتاب فارسی عہد بعد اورنگزیب میں درج کیا ہے:

"بقول مؤلف خلاصۃ التواریخ کی تدوین دو سال کے عرصے میں اورنگزیب کے ۴۰ ویں سن جلوس

مطابق ۱۱۰۸ھ - ۱۱۰۹ھ ہجری / ۱۶۹۶ء - ۱۶۹۷ء عیسوی میں مکمل ہوئی۔"

مزید برآں مؤلف اسکے بعد بھی انہیں ترمیمات و اضافات کرتا رہا ہے اسی وجہ سے دو مقامات پر جو

تاریخ ملتی ہے اسی کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے

"چنانچہ دو مقامات پر اس نے جو تاریخ دی ہے اس سے ۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۰ء - ۱۶۹۹ء عیسوی کا سن برآمد

ہوتا ہے۔ ایک جگہ شیخ عبدالقادر کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف کہتا ہے کہ انکی وفات کو ۵۵ سال گزر چکے ہیں۔

عبدالقادر کا انتقال ۵۶۱ھ ہجری / ۱۱۶۱ء عیسوی میں ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف ۱۱۱۱ھ ہجری / ۱۷۰۰ء -

۱۶۹۹ء عیسوی میں لکھ رہا تھا۔ اسی طرح دریائے راوی پر اورنگزیب کے بنوائے ہوئے بند کا ذکر کرتے ہوئے کہتا

ہے "از ابتدائی سال چہارم لغایت حال کہ زیادہ از چہل سال می گزرود۔"

یعنی اورنگزیب نے ۴۳ سن جلوس میں اس پر بند بنوایا اور اس واقعہ کو چالیس سال سے زیادہ گزر گئے

گو یا اب اس کا ۴۴ واں سال یعنی ۱۱۱۱ھ ہجری ہے۔"

سبحان رائے کی تاریخ وفات بھی غیر معلوم ہے مگر وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ۱۱۱۵ھ ہجری

۱۷۰۳ء - ۱۷۰۴ء عیسوی تک وہ بقید حیات تھا کیونکہ یہی خلاصۃ السیاق کا سال تکمیل ہے۔

بلا شک و تردید خلاصۃ التواریخ ہندوستان میں عہد مغلیہ کے ہندو مورخین کی مرتب تواریخ میں مقبول

ترین اور مشہور ترین تاریخ ہے جس سے برصغیر ہندو پاک کے مورخین و محققین جیسے پروفیسر مولوی شفیع اور پروفیسر

سرکار اور ان کے علاوہ انگریز مورخین میں سرلیس (Lees) اور بیورٹیج نے استفادہ کیا ہے۔

ڈاکٹر آفتاب اصغر نے "تاریخ نگاری فارسی در ہندو پاکستان میں خلاصۃ التواریخ کی شہرت کا سبب

بتاتے ہوئے لکھا ہے (اردو ترجمہ): ”میرے نزدیک خلاصۃ التواریخ کی شہرت کا سب سے بڑا سبب اسکی اہمیت اور قدر کے بارے میں عہد حاضر کے مختلف محققین اور مورخین کے نظریاتی اختلاف اور انکا مختلف رائے ہونا ہے۔ کیونکہ اکثر ہندوستانی اور یورپین مورخین اور محققین اسکی اہمیت اور مقام کے بارے میں ایک دوسرے سے جداگانہ اظہار رائے اور مختلف عقیدہ رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر سرلیس اور بیورٹیج اسکی اہمیت کے معتقد ہیں تو ایلٹ و عبدالمقتدر وغیرہ اسکی اہمیت کے منکر ہیں۔“

خلاصۃ التواریخ کے بارے میں بیورٹیج کی رائے ہے:

”نامناسب نہیں ہوگا اگر ہم سبحان رائے بنالوی، مولف خلاصۃ التواریخ کو ہندوستانی ہیروڈوٹس کہیں کیونکہ دونوں ہی مورخین کے یہاں صحیح اور دلکش پیرائے میں لکھی تاریخ ملتی ہے۔ نیز دونوں بزرگوں کی کتابوں میں صحیح اور دلکش تاریخ نگاری کے عناصر موجود ہیں اور دونوں غیر جانب دار مورخ ہیں۔ گارساں دتاسی اسی لئے اس کتاب کو فرشتہ پر ترجیح دیتا ہے۔“ (اردو ترجمہ)

اسکے برخلاف اگر ہم ایلٹ کی رائے دیکھیں تو وہ رقمطراز ہیں:

”خلاصۃ التواریخ ادبی چوری کا بدترین نمونہ ہے کیونکہ اسکے مطالب ایک دوسری تاریخ سے، جس کا نام مختصر التواریخ ہے، چرائے گئے ہیں۔“

اگر دونوں بزرگوں کی رائے کو توجہ سے دیکھا جائے تو بہ آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دونوں ہی اپنی رائے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں اور ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے مناسب و معقول دکھائی دیتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”سبحان رائے نہ تو ہیروڈوٹس کے ہم پلہ ہیں جیسا کہ بیورٹیج کا خیال ہے اور نہ ہی وہ وزد مخض ہی ہیں جیسا کہ ایلٹ کی رائے ہے کیونکہ سبحان رائے کی خلاصۃ التواریخ کچھ خاص وجوہات وطلل کی بنیاد پر دیگر تواریخ سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے مختصر التواریخ کا اول و آخر تقریباً ناقص ہے۔ اسلئے یہ کتاب خلاصۃ التواریخ سے نقل ہے۔“

مختلف فہرست نگاروں نے سبحان رائے کو پٹیل کا باشندہ قرار دیا ہے۔ اگر فہرست بانکی پور کو دیکھا جائے تو اس میں سبحان رائے کو پٹیل میں متولد بتایا گیا ہے۔ مگر یہ اشتباہ ہے کیونکہ سبحان رائے اپنی جائے پیدائش بنالہ بتاتے ہیں (جو اس زمانے میں توابع لاہور کا ایک چھوٹا شہر تھا)۔ سبحان رائے کی عبارت یہ ہے:

”چون زاد و بوم نگارند این نسخہ دلگشا بتاہ است، لہذا اندکی از احوال آن شہر بہ تسوید در آوردن ضروری دانست۔“<sup>۱۱</sup>

حالانکہ سبحان رائے کے سال تولد کے بارے میں صحیح طور پر اطلاعات موجود نہیں ہیں مگر خود سبحان رائے کے درج ذیل بیان سے ظاہر ہے کہ جب انکی عمر سن تیز کو پہنچی ہے تو وہ سرکاری ملازمت میں بہ حیثیت منشی مقرر ہوئے اور اپنی عمر منشی گری میں گزاری۔ بقول بیان مؤلف:

”از عنقوان ظہور شعور بہ ملازمت ناظران امور مملکت و مال و کار آگاہان دولت و اقبال پیشہ خطوط نویسی کہ عبارت از منشی گری باشد، بسر بردہ۔“<sup>۱۲</sup>

خلاصۃ التواریخ کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان رائے نے عالمگیری کے ۳۸ ویں سال جلوس یعنی ۱۱۰۵ ہجری/۹۴-۱۶۹۳ عیسوی میں تاریخ کو لکھنا شروع کیا تھا اور دو سال کی مدت میں یعنی اورنگزیب کے ۴۰ ویں سال جلوس میں یہ تاریخ ۱۱۰۷ ہجری/۹۶-۱۶۹۵ عیسوی میں مکمل ہوئی تھی۔

مگر اس تاریخ کو پڑھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سبحان رائے نے بعد میں انہیں اضافات بھی کئے ہیں۔ مثال کے طور پر اسمیں اورنگزیب کی وفات ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ ہجری/۲ مارچ ۱۷۰۷ عیسوی درج ہے۔ اسلئے بعض محققین کا خیال ہے کہ سبحان رائے کی وفات اورنگزیب کی وفات کے بعد ہوئی ہے۔

جہاں تک منشی سبحان رائے کی علمی لیاقت کا سوال ہے تو اسکے بارے میں مشہور متشرق ہرمن ایتھے کی رائے استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ انکے خیال کے مطابق منشی سبحان رائے علوم سنسکرت اور فارسی میں عالم بقبر اور مخصوصاً منشی گری کے میدان میں نا درالعصر والدوران تھا۔“<sup>۱۳</sup>

سبحان رائے بنالوی نے خلاصۃ التواریخ کے علاوہ انشاء کے میدان میں بھی کئی یادگاریں چھوڑی ہیں جن میں سے خلاصۃ الانشاء (۱۱۰۲ ہجری/۹۱-۱۶۹۰ عیسوی)،<sup>۱۴</sup> خلاصۃ الکاتب (۱۱۱۰ ہجری/۹۹-۱۶۹۸ عیسوی)<sup>۱۵</sup> اور خلاصۃ السیاق (۱۱۱۵ ہجری/۱۰۳-۱۷۰۳ عیسوی) کے حوالے ملتے ہیں۔

## خلاصۃ التواریخ کے مأخذ و منابع:

سبحان رائے نے خلاصۃ التواریخ کے مقدمے میں تاریخ کی ۱۲ اہم کتابوں کا نام لیا ہے جن کو انہوں

نے خلاصۃ التواریخ کی تکمیل میں استعمال کیا ہے۔ ان کتابوں میں سے بیشتر یا تو فارسی زبان میں ہیں یا وہ فارسی زبان میں ترجمہ شدہ ہیں: <sup>۱۶</sup>

مہا بھارت، راماین، ہری بھش (ہری وئش)، بھگوت گیتا، یوگ و ششٹ، پدماوت، سنگھاسن بتیسی، راج ترنگنی اور راجا ولی (سب فارسی زبان میں ترجمہ شدہ ہیں)

تاریخ سلطان محمود غزنوی تالیف مولانا عنصری، تاریخ سلطان شہاب الدین غوری، تاریخ سلطان علاء الدین خلجی، تاریخ فیروز شاہی تالیف عز الدین خالد خانی، تاریخ افغانہ تالیف حسین خاں افغان، ظفر نامہ یزدی، تیمور نامہ ہاشمی، تاریخ بابر، اکبر نامہ ابو الفضل، تاریخ اکبر شاہی تالیف عطا بیگ قزوینی، اکبر نامہ شیخ اللہ داد مر قسّی خانی، طبقات اکبری، اقبال نامہ، جہانگیری، جہانگیر نامہ، تاریخ شاہجہانی تالیف وارث خان، تاریخ عالمگیری محمد کاظم، تاریخ کشمیر فارسی ترجمہ شاہ محمد شاہ آبادی (کشمیری زبان سے ترجمہ) اور تاریخ بہادر شاہی کا نام ملتا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ خلاصۃ التواریخ کے مؤلف نے صرف تاریخوں کا ذکر نہیں کیا ہے، ان کتابوں کا تجزیہ اور انکی خصوصیات و نقائص کی بھی نشاندہی کی ہے۔ متذکرہ بالا تاریخوں میں سے اگر ہم تاریخ سلطان محمود غزنوی، تاریخ شہاب الدین محمد غوری، تاریخ سلطان علاء الدین خلجی اور اسی قبیل کی دوسری تاریخوں کو دیکھیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یا تو تاریخیں دستر و زمانہ سے محفوظ نہیں رہی ہیں یا انکے بارے میں اطلاعات کیاب ہیں۔ اسلئے خلاصۃ التواریخ کے مؤلف کی رائے ان تاریخوں کے سلسلے میں نہایت اہم اور انکی تاریخی اہمیت اور افادیت کا بین ثبوت فراہم کرتی ہے۔

ایک نہایت اہم بات ایلیٹ اور عبدالمقتدر جیسے صاحبان نظر سے متعلق یہ بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ ان حضرات کے خیال میں فشی سجان رائے نے جن منافع و مآخذ کا ذکر اپنے مقدمے میں کیا ہے ان سے بظن قوی مکمل استفادہ نہیں کیا کلا اور ان حضرات نے دلیل میں پیش کیا ہے کہ خلاصۃ التواریخ کی زیادہ تر اطلاعات کم و بیش تاریخ فرشتہ <sup>۱۸</sup> سے اخذ کی گئی ہیں۔ مزید یہ کہ خلاصۃ التواریخ میں تاریخ فرشتہ سے زیادہ اطلاعات نہیں ہیں۔ پس

بطور مجموعی ایلیٹ اور عبدالمقتدر صاحب کی قضاوت سو فی صد درست نہیں ہے کیونکہ جہاں تک بعد اسلام ہندوستان کی تاریخ کا معاملہ ہے ممکن ہے کہ ان حضرات کا قول درست ہو، مگر عہد قدیم کے ہندو راجاؤں کے ضمن میں موجود اطلاعات کے بارے میں انکا یہ خیال غلط ثابت ہوتا ہے۔ سجان رائے نے قبل از اسلام ہندوستانی تاریخ کو اکبر نامہ کی تیسری جلد (آئین اکبری) سے اقتباس ضرور کیا ہے مگر ان اطلاعات کو مزید دوسرے ذریعوں سے بڑھایا

اور مخصوصاً تاریخ فرشتہ کی سال تالیف ۱۰۱۶ھ ہجری / ۰۸ - ۱۶۰۷ عیسوی کے بعد کے واقعات کو فشی سجان رائے نے دوسرے مأخذوں سے بھی اخذ کیا ہے مگر تاریخ کو اپنے انداز میں برتنے کا فن وہ بخوبی جانتے ہیں۔

## خلاصۃ التوارخ کے مطالب :

خلاصۃ التوارخ بھی تاریخ فرشتہ کی مانند ہندوستان کی عمومی تاریخ ہے جو قدیم ترین عہد ہندوستان کی تاریخ سے شروع ہو کر ۱۰۶۸ھ ہجری / ۵۸ - ۱۶۵۷ عیسوی پر محیط ہے۔ مگر یہ تاریخ طبقات اکبری یا تاریخ فرشتہ جیسی منظم و مرتب نہیں ہے اور متعدد مقامات پر انہیں موجود واقعات ایک دوسرے میں خلط ملط بھی نظر آتے ہیں، مزید جس طرح نظام الدین ہرودی اور محمد بن قاسم فرشتہ نے بالترتیب مستقل اور نیم مستقل ہندوستان کی سلطنتیں جیسے دکن، بنگال اور سندھ وغیرہ کے جداگانہ عناوین قائم کئے ہیں ویسے سجان رائے ہالوی نے بھی عناوین قائم کرتے ہوئے دہلی سلطنت کے سلاطین کے ساتھ ان سلطنتوں کو ضم کر کے بیان کیا ہے۔

اگر خلاصۃ التوارخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مقدمے کے علاوہ خلاصۃ التوارخ کو دو بڑے زمروں میں منقسم کیا جاسکتا ہے :

(الف) ہندو عہد کی تاریخ

(ب) مسلم عہد کی تاریخ

## خلاصۃ التوارخ کے محتویات :

خلاصۃ التوارخ کے محتویات کو عام طور سے برصغیر ہندو پاک کی عمومی تاریخ کہا جاسکتا ہے جس میں بغیر کسی خاص تاریخ سے اور نگزیب کے اول سال جلوس ۱۰۶۸ھ ہجری / ۵۸ - ۱۶۵۷ عیسوی کی تاریخ ملتی ہے اور یہ تاریخ درج ذیل زمروں میں منقسم ہے :

(الف) مقدمہ : مقدمے میں خلاصۃ التوارخ کے منابع و مأخذ کے بارے میں مختصر اشرح دی گئی ہے جس میں آداب و رسوم، روایات، مختلف فرقوں سے متعلق معلومات کے علاوہ ہندوؤں کی مقدس کتابوں اور برصغیر سے متعلق جغرافیائی اطلاعات موجود ہیں۔

(ب) پہلا حصہ: قدیم ہندوستان کے راجاؤں میں راجا بدھشتر سے پرتھوی راج کے عہد کی تاریخ (۵۷۲ھ ہجری / ۱۱۷۶-۱۱۷۷ عیسوی) تک انہیں ہندوؤں کے مذہبی اعتقادات، انکے مختلف فرقوں کے حالات پھر شہروں کے حالات کے بعد ہندوستان کے صوبوں کا جغرافیائی حال ہے۔

ہندوؤں کا عہد کتاب کے تیسرے حصے کے برابر ہے انہیں ہندوستان کی پیداوار، مشہور شہروں کا حال اور ہندوستان کی بعض خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ مؤلف چونکہ پنجاب کا باشندہ تھا اسلئے صوبہ لاہور یا پنجاب کا حال زیادہ مفصل طریقے سے بیان ہوا ہے۔

(ج) دوسرا حصہ: ہندوستان کے عہد وسطیٰ میں عہد اسلامی میں امیر سبکتگین (۳۶۸-۳۸۷ھ ہجری / ۹۷۸-۹۷۹ عیسوی) سے اورنگزیب کے پہلے سال جلوس پر جلوہ افروز ہونے تک کی تاریخ (۱۰۶۸ھ ہجری / ۱۶۵۷-۱۶۵۸ عیسوی) درج ہے۔

مزید مغلوں سے پہلے جو سلاطین حکمران رہے انکا حال بہت سرسری طور پر بیان ہوا ہے اور چنداں دقیق نہیں ہے کیونکہ زیادہ تر فرشتہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ البتہ شیرشاہ کے حالات میں مؤلف نے اپنی آزادی رائے کا ثبوت دیا ہے اور اکبر نامہ وغیرہ کا تتبع نہیں کیا ہے۔ غزنوی سلاطین میں سے صرف سات کا ذکر ہوا ہے۔ مغل بادشاہوں کے حالات زیادہ مفصل ہیں۔ صوبہ جاتی آزاد حکومتوں کا ذکر بھی مستقل ابواب و فصول میں نہیں ہوا ہے بلکہ جس بادشاہ کے عہد میں انکا الحاق مرکزی حکومت سے ہوا، اسکے ساتھ ہی ضمنی طور پر ان کا بھی مختصر ذکر آ گیا ہے۔

## خلاصہ التواریخ کا طرز نگارش:

حالانکہ خلاصہ التواریخ کا مؤلف ایک ہندو ہے مگر اسکے باوجود چونکہ وہ ایک مٹھی تھا اور طرز انشاء سے بخوبی آشنا، نیز انشاء میں اسکی معرکہ آراء تصانیف بھی اس بات کی شاہد ہیں کہ بحیثیت انشاء پرداز وہ نہایت اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ مزید اس انداز کی انشاء پرداز کا آغاز عہد شاہجہانی کے دوسرے مصنفین جیسے بنوالی داس اور بھگونت داس نے کیا تھا۔ اسی سلسلے کو سجان رائے نے خلاصہ التواریخ کی شکل میں مکمل کیا ہے۔

یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ مٹھی سجان رائے بنالوی کو ہم صفِ اول کے مورخین اور انشاء پردازوں میں جن میں ابوالفضل (اکبر نامہ)، عبدالحمید لاہوری (بادشاہ نامہ) اور محمد صالح کنہوہ (شاہجہان نامہ) وغیرہ کو شامل کرتے ہیں، شامل نہیں کر سکتے۔ مگر فارسی محققین کی رائے سے اکتفا کرتے ہوئے ہمیں چارو ناچار یہ کہنا پڑتا ہے کہ

چندر بھان برہمن کے بعد ہندو انشاء پر دانوں میں سبحان رائے بنالوی اپنا مخصوص اور جداگانہ مقام رکھتے ہیں۔

خلاصۃ التواریخ کی تحریر کا انداز یہ ہے کہ اسمیں نثر کے ساتھ اشعار اور فرد بھی آمیختہ ہیں۔ مزید یہ کہ یہ کثرت سے برتے گئے ہیں اور تاریخی عبارتوں میں بعض غیر متعلق مضامین بھی آجاتے ہیں جو کئی مرتبہ مفید معلومات سے پر ہیں۔ حالانکہ تاریخ کے نقطہ نظر سے یہ انداز نگارش معیوب سمجھا جاتا ہے۔

خلاصۃ التواریخ کی زبان عام طور پر سادہ، بلا تصنع، بلا تکلف اور مولف کی ہنسی فکر کی حامی ہے۔ مزید وہ کسی بھی طرح مقدمے اور ابتدائی ابواب و فصول میں برصغیر کے صف دوم کے مورخین سے کم نہیں ہے۔

ڈاکٹر آفتاب اصغر نے یہی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”رومی ہم رفتہ سبک نویسنده کی نو پسند خلاصۃ التواریخ سادہ و روان و در عین حال پختہ و استوار است و از لحاظ حسن انشاء بدون شک در بعضی موارد بہ خصوص در مقدمہ و آغاز ابواب و فصول با نوشتجات نو پسندگان درجہ دوم مسلمان مہد تیموریان ہند و پاکستان پہلومی زندہ۔“<sup>۱۹۰</sup>

مثال کے لئے خلاصۃ التواریخ کا ایک پیرا گراف نقل ہے جس سے منشی سبحان رائے کی انشاء پر دانہ کی تاریخی فہمی اور ان کے فن تاریخ نگاری پر روشنی پڑتی ہے:

”در میان او تاج الدین کہ یکی از بندگان خاص سلطان شہاب الدین بود و بعد از سلطان در غزنین اسم سلطنت بر او اطلاق رفتہ بود، بر سرالہ ہور مخالفت و منازعت گردید، قصہ ایک دیگر نمودہ آتش محار بہ برافروختہ۔ آخر تاج الدین تاب مقاومت نیاوردہ منہزم گشت و در کرمان رفتہ، اقامت و رزید و سلطان مظفر و منصور شدہ بہ استقلال تمام بہ سلطنت پرداخت و در سنہ ۶۰۷ ہجری در چوگان بازی از اب افتادہ، گوی زندگانی بہ جولا نگاہ آخرت رسانید۔“<sup>۱۹۱</sup>

## خلاصۃ التواریخ کی تاریخی اہمیت:

اگر خلاصۃ التواریخ کی تاریخی اہمیت پر تبصرہ کرنے کے لئے اسے پڑھا جائے تو بآسانی اس نتیجے پر پہنچا جاسکتا ہے کہ یہ برصغیر ہند و پاک کی ایک عام تاریخ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تاریخ عہد اور نگار میں تحریر ہوئی ہے مگر اسمیں خود اور نگار کے عہد کی تاریخ نہیں ملتی۔ مزید برآں اسمیں جو تاریخ ملتی ہے وہ خود کئی دیگر تاریخیوں کی تختہ پلید سے زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ جب کوئی مؤرخ اس خاص عہد کے واقعات کا یقینی شاہد ہو مزید وہ کسی طرح کے توہمات و تعصبات سے بری ہو تو اسکی تاریخ کی اہمیت دوگنی ہو جاتی ہے۔ مگر سبحان رائے نے تو اس تاریخ کو شاہجہاں کے زریں عہد (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸-۱۶۵۸ عیسوی) پر ختم کر دیا ہے اور اورنگزیب کے عہد (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ عیسوی) کی تاریخ رقم کرنے سے گریز کیا ہے۔ اسی لئے کوئی بھی دعویٰ یا دلیل سبحان رائے کو متذکرہ بالا عہد کی تاریخ نہ لکھنے کی کوئی ٹھوس وجہ پیش نہیں کر سکتی۔

خلاصۃ التواریخ کی تاریخی اہمیت مختلف فیہ ہے۔ مارلے<sup>۱۱</sup> کا دعویٰ یہ ہے کہ خلاصۃ التواریخ ایک دوسری تاریخ مختصر کا چرہ ہے اور سبحان رائے سنگین سرفے کا مرتکب ہے۔ اسکے برخلاف میجر لیس (Lees)<sup>۱۲</sup> کا یہ کہنا ہے کہ خلاصۃ التواریخ انتہائی محتاط تاریخوں میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے اور سیر المتاخرین اسکا لفظ بہ لفظ چرہ ہے۔

خلاصۃ التواریخ کا ابتدائی حصہ زیادہ اہم ہے جس میں ہندو مذہب اور اس کے رسوم و علوم پر تفصیلی تبصرہ اور بحث درج کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ عہد اورنگزیب کے ہندوستان کا جغرافیائی ذکر ہے اور ہر صوبے کے اہم شہر اور آمدنی وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مغل دور میں اورنگزیب اور اسکے بھائیوں کی جنگ اور تخت نشینی کا تفصیلی ذکر ہے، مگر شاہجہاں کی تاریخ کے لئے وارث کی تاریخ پڑھنے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے۔

خلاصۃ التواریخ پر دو ضمیمے لکھے ہوئے ہیں جن میں مزید سو سال کے واقعات کا اضافہ ملتا ہے۔ پہلا ضمیمہ جے کن داس مہرہ کا ہے مگر دوسرے ضمیمے کے مؤلف کا علم نہیں ہے۔<sup>۱۳</sup>

## خلاصۃ التواریخ کے مطبوعہ نسخے:

خلاصۃ التواریخ کو تصحیح کے بعد خان بہادر ظفر حسن نے ۱۹۱۸ء میں دہلی سے شائع کیا تھا۔

خلاصۃ التواریخ کے تراجم:

خلاصۃ التواریخ کے کچھ حصوں کو پروفیسر سرکار نے India of Ourangzeb اور ایلیٹ نے History of India کی آٹھویں جلد میں انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔ ہندوستان کی قدیم جغرافیہ اور تاریخ کو میر شیر علی افسوس نے آرائش محفل کے نام سے اردو میں ترجمہ کر کے ۱۸۰۸ عیسوی میں کلکتہ سے شائع کیا ہے۔

## خلاصہ التواریخ کے قلمی نسخے:

عام طور پر خلاصہ التواریخ کے زیادہ تر قلمی تفصیل اسٹوری اور ریو مارشل کی فہرستوں میں موجود ہے مگر درج ذیل تین قلمی نسخوں کی تفصیل ان فہرستوں میں مذکور نہیں ہے۔

(الف) فہرست لاہور پبلک لائبریری، ضمیمہ ۱، ۱۱۳، کتابت ۱۱۶۸ ہجری (یہ پاکستان کا سب سے قدیم اور کامل ترین قلمی نسخہ ہے)

(ب) ڈھاکہ یونیورسٹی کا نسخہ جو ۱۲۳۶ ہجری کا کتابت شدہ ہے۔

(ج) پنجاب یونیورسٹی لائبریری (مجموعہ شیرانی)، ش ۲۰۹ کتابت شدہ ۱۲۶۵ ہجری۔

## کتابیات:

- ۱۔ فارسی ادب بعبد اورنگزیب، ڈاکٹر نور الحسن انصاری، انڈوپرشین ہوسائٹی، دہلی، جنوری ۱۹۶۹ء، دہلی
- ۲۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ڈاکٹر سید عبداللہ، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور (پاکستان) نومبر ۱۹۶۷ء۔
- ۳۔ تاریخ نویسی فارسی در ہندوستان، تیموریان بزرگ از بارتا اورنگزیب (۹۳۲-۱۱۸۸ ہجری ق)، نگارش دکتر آفتاب اصغر خان، فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، لاہور، پاکستان، آذر ماہ ۱۳۶۷ ہجری شمسی
- ۴۔ خلاصہ التواریخ، سبحان رائے، صحیح خان بہادر ظفر حسن، ۱۹۱۸ عیسوی، دہلی
- ۵۔ آرائش محفل، میر شیر علی افسوس، کلکتہ، ۱۸۰۸ عیسوی
- ۶۔ اردو دائرۃ المعارف (باہتمام پروفیسر مولوی محمد شفیع)۔
- ۷۔ Sarkar, Jadunath, History of Aurangzeb (Vol 4), Calcutta, 1912.
- ۸۔ Story, S A, Persian Literature (A Bio-bibliographical Survey), London, 1953
- ۹۔ Rieu, Charles, Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, London, 1995.

## حوالہ:

- ۱۔ دیکھئے اسٹوری، پرشین لٹریچر اے بلیو گرافیکل سروے، جلد ۱، ص ۲۵۴
- ۲۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ عیسوی، ص ۶۰
- ۳۔ مرتب ظفر حسن، خلاصہ التواریخ، دہلی، ۱۹۱۸ عیسوی، ص ۸

- ۴۔ ایضاً، ص: ۳۴
- ۵۔ ایضاً، ص: ۶۵
- ۶۔ ڈاکٹر نور الحسن انصاری، فارسی ادب، بعد اور نگریز، انڈوپرشین سوسائٹی، دہلی، ۱۹۶۹ عیسوی، ص: ۴۷۶
- ۷۔ دکتر آفتاب اصغر، تاریخ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، تیموریان بزرگ از بابر تا اورنگزیب (۹۳۲-۱۱۱۸ ہجری ق)، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، لاہور پاکستان، ۱۳۶۴ ہجری ش، ص: ۴۶۶
- ۸۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (سلسلہ جدید، جلد ۳)، ۱۸۹۴ عیسوی صفحات ۷۳۳ تا ۷۶۸
- ۹۔ دیکھیں، ایلٹ، (تاریخ ہندوستان) جلد ۸، ص: ۵۰۰ و بانی پور، ش: ۵۴۰
- ۱۰۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ص: ۶۵
- ۱۱۔ ظفر حسن، سبحان رائے بنالوی، خلاصۃ التواریخ، دہلی، ۱۹۱۸ عیسوی، ص: ۷
- ۱۲۔ ایضاً،
- ۱۳۔ Ethe, Herman, Catalogue of the Persian Manuscripts in the Library of India Office, Vol. II, Oxford, U.K., pp. 1902, 37 & 1931.
- ۱۴۔ ملاحظہ ہواستوری، ص: ۴۵۳
- ۱۵۔ ملاحظہ ہو فہرست، لاہور پبلک لائبریری، ص: ۶۰۸
- ۱۶۔ ملاحظہ ہو۔ فارسی ادب، بعد اور نگریز، ص: ۴۷۶
- ۱۷۔ ملاحظہ ہو ایلٹ (تاریخ ہند)، جلد ۸، ص: ۵۰۰ و بانی پور، ش: ۵۴۰
- ۱۸۔ تاریخ فرشتہ یا گلشن ابراہیمی ہندوستان کی عام تاریخ ہے جو خلاصۃ التواریخ سے تقریباً سو سال قبل محمد قاسم فرشتہ نے ۱۰۱۶ ہجری / ۱۶۰۸-۱۶۰۷ عیسوی میں تحریر کی ہے جسے بیجاپور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ کے نام معنون کیا ہے۔ یہ بھی حیران کن بات ہے کہ خلاصۃ التواریخ کے مؤلف فشی سبحان رائے بنالوی نے تاریخ فرشتہ کو اپنے ماخذ و منابع کی فہرست میں درج نہیں کیا ہے۔
- ۱۹۔ دکتر آفتاب اصغر، تاریخ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، تیموریان بزرگ از بابر تا اورنگزیب (۹۳۲-۱۱۱۸ ہجری ق)، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، لاہور، پاکستان، ۱۳۶۴ ہجری ش، ص: ۴۷۰

۲۰۔ نسخہء دانشگاہ پنجاب، برگ ۶۱: آفتاب اصغر، ص ۴۷۱

۲۱۔ مارلے، ص ۷۰، ریو (۲۳۱/۱) کا خیال یہ ہے کہ خلاصۃ التواریخ اور مختصر ایک ہی مؤلف کے قلم سے تحریر ہوئے ہیں۔

۲۲۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی (نیو سیریز)، جلد ۳، ص ۲۲۳

۲۳۔ خلاصۃ التواریخ، ص ۴۸۷



# فتحیہ عبرتیہ:

## عہد اور نگزیب کا ایک اہم مآخذ

ڈاکٹر فیضان احمد اعظمی

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، دہلی

فارسی تاریخ نگاری کے لحاظ سے عہد مغلیہ کی اہمیت مسلم ہے۔ اس دور میں جہاں بادشاہوں نے بذات خود اپنی نیز اپنے دور کی تاریخ لکھی وہیں باقاعدہ سرکاری مورخین سے بھی تاریخ نگاری کا کام لیا۔ جسکی وجہ سے بہت سی تاریخی کتابیں منظر عام پر آئیں، جیسے ابوالفضل کی تصنیف اکبر نامہ، بدایونی کی منتخب التواریخ، نظام الدین احمد کی طبقات اکبری، عبدالحمید لاہوری کی بادشاہ نامہ، شاہ نواز خاں کی مآثر الامراء، اور عہد اور نگزیب میں عالمگیر نامہ (مرزا محمد کاظم) مرآۃ العالم (بختاور خاں) وغیرہ بہت ہی مشہور ہوئیں، جن سے متاثر ہو کر دوسرے اہل علم نے بھی اس فن کو موضوع قلم بنایا۔ مذکورہ مورخین میں کچھ ایسے بھی ہیں جو بالواسطہ دربار سے منسلک تھے، اور اپنے مربی کی مدح سرائی میں تاریخ لکھ رہے تھے۔ انکی تاریخ نگاری کا محور بادشاہ ہوتا تھا۔ عوام کی زندگی اور حالات وغیرہ سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا، لیکن کچھ ایسے مورخ بھی تھے جن کو عوام اور اپنے دور کی تہذیب و ثقافت سے دلچسپی تھی، جسکا ذکر ان کتابوں میں ملتا ہے۔ ان میں سے فتحیہ عبرتیہ نامی مخطوطہ بہت اہم ہے، جس سے عہد اور نگزیب کی فوجی مہمات و فتوحات پر روشنی پڑتی ہے خصوصاً کوچ بہار اور آسام کے متعلق یہ ایک اہم دستاویز ہے۔

اس مخطوطہ کے مصنف ابن محمد ولی المقلب شہاب الدین طالش کے حالات زندگی تقریباً نا معلوم ہیں! اس میں ایک مقدمہ دو ابواب اور ضمیمہ ہے، جس میں ان اسباب و عوامل پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کی وجہ سے آسام اور کوچ بہار پر مہم کی ضرورت درپیش آئی۔ پہلے باب میں کوچ بہار سے متعلق واقعات و حوادث کو بہت ہی تفصیل سے دن، ماہ و سال کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، (۱۶۶۱ھ/ ۱۶۶۱ء)۔

دوسرے باب میں آسام کی پُر خطر مہمات و فتوحات کے ساتھ وہاں کی آب و ہوا، دیہاتوں اور وہاں کے باشندوں وغیرہ کے رہن سہن، میوہ جات و پھلوں و پھولوں کا ذکر ہے (۱۷۰۷ھ/۱۶۶۲ء)۔ ضمیمہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ شائستہ خان کی مہمات اور فتوحات کا ذکر ہے جن کا دور ۱۷۰۷ھ/۱۶۶۲ء تا ۱۷۱۶ھ/۱۶۶۵ء ہے۔ اس کو کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔<sup>۲</sup> یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ جب آپ مخطوط کی ورق گردانی کریں گے تو سب سے پہلے ابتدائی چند صفحات پر کتاب کی ابتداء سے پہلے، آپ کو بارود بنانے کی ترکیب اور اس کے طریقہ استعمال کی تفصیل ملے گی جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنگ و جدال بغیر اسلحہ و بارود اور دیگر سامان کے ممکن نہیں۔ مصنف کی یہ ایک اہم یادداشت ہے۔<sup>۳</sup> کتاب کی ابتداء ”جنودنا معد و دلازم حضرت مالک الملک علی الاطلاق است کہ صف آرایان معرکہ شریعت و حقیقت و لشکر کشایان عرصہ ملت و طریقت سلام اللہ علیہم اجمعین بہ تسخیر ممالک قلوب مشرکین“<sup>۴</sup> سے ہوتی ہے۔ زبان فارسی ہے لیکن عبارتوں اور جملوں کے درمیان عربی زبان کے الفاظ و محاورات نیز قرآنی آیتوں کو ایسے برجستہ اور بر محل استعمال کیا گیا ہے گویا کہ یہ اس کے جملے ہیں جو سلاست زبان کی خصوصیت سے مالا مال ہے۔ جیسے قرآنی آیت ”حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن یدہا و ہم صاغرون“ کو فتح و نصرت کے موقع و محل کے جملوں میں بہ آسانی پُر کر دیا ہے۔ کتاب کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ ہر چند کہ یہ مہم نہایت ہی صبر آزما، دندان شکن اور حوصلے پست کرنے والی تھی، لیکن فوجیوں کے حوصلے ہمیشہ بلند رہے، اور دشمنوں کو دردناک شکست دی اسی لئے اس کتاب کا نام فتحیہ عبرت رکھا، یعنی ایسی فتح جو لوگوں کے لئے سبق آموز ہو، حالات و واقعات کو سن کر دلوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا حوصلہ پیدا ہو سکے۔ مصنف لکھتا ہے کہ اگر اس کتاب کے لکھنے میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس سے آگاہ کیا جائے، اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو غفور و گزر سے کام لیا جائے کیونکہ میں نے اس کتاب کو قلم کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور اس کو بچے میں پھونک پھونک کر قدم رکھا ہے۔<sup>۵</sup>

کوچ بہار اور آسام کی طرف جب فوج روانہ ہو رہی تھی تو اس وقت کے حالات پر مصنف تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ موسم بے حد خراب تھا، باد و باراں نے سارے راستے مسدود کر دیئے تھے۔ کل فوجیوں کی تعداد اس وقت بارہ ہزار تھی، ہاں پیادہ کچھ زیادہ تھے، دریائے برہمپتر طغیانی پر تھا۔ اس وقت کی سختی اور مشکلات اخذ الہد ید تھے۔<sup>۶</sup> یہ مہم کیوں درپیش ہوئی اور اس کے کیا اسباب و

عوامل تھے؟ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے مصنف لکھتا ہے کہ ”چوں در زمان فتور بیماری بندگان اعلیٰ حضرت صاحب قرآن ثانی کہ در سنہ ثمان و ستین و الف روی نمود پیم نرائن راجہ کوچ بہار جرأت و جسارت و زندہ بر کھورہ گھاٹ تاخت آورده جمیع از رعایا و سکنہ و نسواں سلمہ و بنات مومنہ را سیہ کردہ“<sup>۹</sup>

شاہ جہاں (صاحب قرآن ثانی) کی بیماری کے زمانے میں (۱۰۶۸ھ/۱۶۵۹ء) کوچ بہار کے راجہ پیم (پریم) نارائن نے گھوڑا گھاٹ کے علاقوں پر حملہ کر کے وہاں کے لوگوں کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ تمام باشندوں، مسلم عورتوں و لڑکیوں کو گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ اور کامروپ کا علاقہ جو کہ گوبائی اور ہاجوٹ کے علاقے میں سے تھا اور ممالک محروسہ میں شامل تھا وہاں پر اپنے وزیر بھواناتھ کو ارسال کر دیا تھا۔ لہذا اس کو سبق سکھانا ضروری تھا۔<sup>۱۰</sup> چنانچہ عالمگیر کے تیسرے سن جلوس (۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء) میں یہ مہم کامروپ کی طرف رشید حسن خاں کی قیادت میں روانہ ہوئی اور راجہ سجان سنگھ شاہی فوج لے کر کوچ بہار کی طرف روانہ ہوا، مرزا بیگ جونواب موصوف کی خدمت میں تھے ایک ہزار سوار کے ساتھ راجہ سجان سنگھ کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، اس دوران ایک دلچسپ بات یہ ہوئی کہ راجہ پیم (پریم) نارائن کے وکیل نے دربار شاہی کے کسی معتبر کی سفارش حاصل کر کے دربار میں التماس کیا اور راجہ کی غلطیوں اور کوتاہیوں کے لئے معافی کا خواستگار ہوا، نواب نے اس کے وکیل کو سفارشی خط کے ساتھ قید کر دیا، اور خط کو پڑھا تک نہیں، رنگامانی تک پہنچتے پہنچتے برسات کا موسم شروع ہو گیا تھا، وہاں پر پہنچ کر اس کو آزاد کیا۔<sup>۹</sup>

وہاں کے میوہ جات اور آب و ہوا پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے کہ قدرت نے اس علاقے کو طرح طرح کے پھل پھولوں اور میوہ جات سے مالا مال کر دیا ہے۔ ہر کس و نا کس اس سے بہ آسانی فائدہ اٹھاتا ہے، یہ سب اشیاء یہاں پر وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ مصنف مخطوطہ بذات خود ایک درباری مورخ کی حیثیت سے اس مہم میں شریک تھا۔ اس لئے وہ واقعات و حوادث کا پچھتم خود معائنہ کرتا تھا اور اپنی یادداشت میں دن، ماہ و سال کے اندراجات کرتا رہا۔ اس نے اپنی یادداشت میں ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے واقعات کو نقل کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ۲۳ جمادی الاول ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء کو فوج آسام میں کفاروں سے جنگ کے لئے گھوڑہ گھاٹ سے رنگامانی کی طرف روانہ ہوئی، جسکو فتح کرنا بہت مشکل تھا، کیونکہ چاروں طرف گھنے بانس کے جنگل تھے، اور وہ علاقہ

پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، دلیر خاں جو کہ اس لشکر کی سپہ سالاری کر رہا تھا، مرتضیٰ داروغہ کے ساتھ تھا کیونکہ اس کو راستہ کا علم تھا۔ یہ کھوکھرہ کا جنگل تھا، جہاں چاروں طرف جانور، ہاتھیوں کے مسکن اور بانس تھے، وحشت و ویرانی ٹپک رہی تھی، راستہ نہایت دشوار گزار تھا، اور منزل ناپید، لیکن فوجیوں کے حوصلے بلند تھے اور اعلائے مکتہ اللہ کو نافذ کرنے اور لشکر کفار کو نیست و نابود کرنے کی انگلیں جواں تھیں چنانچہ وہ ثابت قدم رہے، اور فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ اس مہم میں اللہ کے بندوں (فوجیوں) نے جو مشکلات و تکالیف برداشت کیں وہ چیز تحریر سے بالاتر ہے (درمیان میں مناسبت سے فارسی کے اشعار نقل کرتا ہے) مزید آگے لکھتا ہے کہ جو لوگ سر پر کفن باندھ کر نکلتے ہیں اور اپنے کام کے پکے ہوتے ہیں تو ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

”بہر گامے کہ راہ رودریں راہ می نہاد اگر برو در نمی افتاد بر در می ایک و بہر قدمے کی سالک دریں طریق متوکلا علی اللہ بر میداست دست از دنیا و ما فیہا شستہ در صحرائے فنا فی اللہ می گزاشت“<sup>۱۱</sup>

آگے لکھتا ہے کہ ۹ جمادی الثانی کو قلعہ جوگی گھوپہ جو کہ کامروپ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے بلا جنگ و جدال کے زیرنگوں ہو گیا۔ اور عطاء اللہ کو جو کہ نواب کی ملازمت میں تھے، وہاں کا تھانیدار مقرر کر دیا گیا۔<sup>۱۲</sup> لراقم الحروف کو قلعہ کے مشاہدے کے لئے لے جایا گیا۔ قلعہ بہت ہی کشادہ ہے۔ قلعہ کو جنوب کی طرف سے دریائے برہمپتر نے گھیر رکھا ہے، اور مشرق کی طرف سے نہر عظمیٰ یعنی بناس رواں ہے۔ اس کے جنوب و شمال میں خندق اور پر شکوہ پہاڑ و جنگل ہیں، جو اس کو محفوظ کئے ہوئے ہیں۔<sup>۱۳</sup>

اس علاقے کی تفصیل بتاتے ہوئے مصنف نے مزید لکھا ہے کہ موضع سیری گھاٹ کا فوج نے کئی دن تک محاصرہ کر رکھا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے زبردست مزاحمت کی، لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔ نواب نے بہ نفس نفیس اس کا معائنہ کیا۔<sup>۱۴</sup> اس قلعہ کے آس پاس بہت سے قلعہ تھے جیسے پانڈوا اور قلعہ کجلی۔ وہ فوجیوں کے نقاروں کی آواز سن کر خوف زدہ ہو گئے اور بغیر مزاحمت کے فتح حاصل ہو گئی۔ ان فتوحات میں بہت سے مال و اسلحہ جات قبضہ میں آئے۔<sup>۱۵</sup> انہی مہمات میں بت خانہ کو کلیا دیوی اور لوناپہ جاری و اسماعیل جو گی (جو ہندوؤں کے معبد تھے) جن کے بارے میں اطراف و اکناف کے پہاڑوں و علاقوں میں طرح طرح کے افسانے مشہور تھے، فتح کئے گئے۔ وہاں کے راجہ مکرجی نے نواب موصوف کی اطاعت قبول کر

لی، اور محمد بیگ جو کہ نواب کے ملازم تھے گوہاٹی کے فوجدار متعین کئے گئے اور حسن بیگ کو کجلی کا تھانیدار مقرر کیا گیا۔<sup>۱۱</sup>

آب وہوا اور موسم کی تبدیلیوں، وہاں کے لوگوں کے عقائد، رہن سہن، اور دیہاتوں کا اچھے انداز میں ذکر کیا ہے۔ وہاں کے ایک دیہات متھرا پور کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ وہاں کے علاقوں میں یہ علاقہ قابل ذکر ہے، موسم برسات میں یہاں فوج کو بآسانی ٹھکانہ مل گیا کیونکہ یہ جگہ نسبتاً اونچائی پر واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں، جن میں پانی کی نہریں رواں دواں ہیں، جسکی وجہ سے یہاں آب وہوا کچھ زیادہ ہی مسموم ہو گئی ہے۔ یہاں پر اموات بہ کثرت ہوتی ہیں۔ گورکن قبروں کا انتظام نہیں کر پاتے کیونکہ یکے بعد دیگرے اموات ہوتی رہتی ہیں۔ اطباء حکماء مروجہ نسخوں سے ہٹتے ہی نہیں۔ لوگوں میں اتنی وحشت ہے کہ یار دوست اگر عیادت کے لئے آتے ہیں تو جلدی چلے جانا چاہتے ہیں۔ برسات کے موسم میں دلیر خاں یہاں پر پندرہ سو فوجی لیکر آیا تھا لیکن جو نہی موسم برسات ختم ہوا تقریباً پانچ سو فوجی نظر نہیں آئے جو کہ موت کی نذر ہو گئے تھے۔ اب تک اس علاقے میں تقریباً دو لاکھ باشندے اموات کا شکار ہو چکے ہیں کیونکہ یہاں پر وباء کا مرض پھیلا ہوا ہے۔<sup>۱۲</sup>

اس مخطوطہ کے آخر میں زمین کی خرید و فروخت اور ان کے بند و بست کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ کاغذات کس طرح سے تیار کئے جائیں گے؟<sup>۱۳</sup> قبائلی کس طرح سے تیار کئے جائیں گے، اور اس کا فارمیٹ کیا ہوگا؟ اور قبض الوصول کس طرح کا ہوگا اور زمین کی خرید و فروخت کے وقت کس طرح سے بنایا جائیگا۔<sup>۱۴</sup>

اس مخطوطہ میں آسام اور کوچ بہار کی سیاسی، سماجی، فوجی مہمات میں خرچ ہونے والے ساز و سامان اور اقتصادی حالات کا ذکر ہے۔ چونکہ مؤلف بذات خود اس پوری مہم میں شریک تھا، لہذا اس نے سارے حالات کا بہ نفس نفیس مشاہدہ کیا تھا اور پھر اپنی یادداشت مکمل کی۔ یہ مخطوطہ اور اس کا مؤلف تاریخ نگاری کے ان بیان کردہ اصولوں پر جسکو ہرنس مکھیا نے بیان کیا ہے<sup>۱۵</sup> سمعیاری نہیں تو پورا ضرور اترتا ہے کیونکہ اس نے اپنے پیش رو مورخین کے طریقوں اور اصولوں کو برتنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اور اورنگزیب کے تیسرے سن جلوس سے کوچ بہار و آسام جیسے دور افتادہ علاقوں کی جزئیات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

## حواشی و حوالہ جات

۱۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے فورٹ ولیم کالج کے مخطوطات کی فہرست میں اسکا اندراج نمبر ۳۵۸ ہے، یہ مصنف مخطوطہ عہد اورنگزیب میں عبرۃ الملک میر جملہ محمد سعید خان (۱۶۵۱ء تا ۱۶۶۳ء) کے ماتحت آسام اور کوچ بہار سے متعلق جنگ و جدال پر مشتمل ہے۔ اس مخطوطہ میں کل ۱۶۸ صفحات ہیں، ہر صفحہ تقریباً پندرہ سطروں پر مشتمل ہے۔ اسکو محمد راشد عثمانی نے (۱۰۷۳ھ/ ۱۶۶۲ء تا ۱۶۶۳ء) میں نقل کیا ہے۔ یہ مخطوطہ فارسی بشمول عربی زبان اور خط شکستہ میں ہے۔ اسکا سائز 22.5 Cms. x 13.5 Cms. ہے۔ پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بقیہ حادثات و واقعات جو کہ (۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۵ء) تک ہیں، اسکو مصنف نے خود لکھا ہے اور اپنی وفات تک کے حالات کو قلم بند کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے۔ "اسٹڈیز ان مغل انڈیا" ۱۳۱ تا ۱۵۲ صفحات۔ اس مخطوطہ کی ایک کاپی سالار جنگ میوزیم کے کیناگ نمبر ۳۵۲ میں موجود ہے جو کہ 13.5 سائز پیپر پر سترہ لائنوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہ مخطوطہ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۷ء میں کلکتہ سے چھپ چکا ہے۔ اس کی کاپی بوڈلین لائبریری لندن، برٹش میوزیم میں بھی موجود ہے۔

۲۔ مطالب ضمیمہ اس طرح سے ہے: (۱) اصلاحات شائستہ خاں در استان بنگال (۲) جملات دزدان دریائی پر تغالی بہ استان بنگال و اقدامات متقابل استاندار بنگال۔ (۳) تھیمہ ناوگان و احداث پایگاہ دریائی تحت نظارت شائستہ خاں۔ (۴) فتح ناوگان بنگال در دو جنگ دریائی (۵) توصیف جزیرہ سندپ و تسخیر آں (۶) شکست ناوگان اراکان (۷) حملہ دو جانبہ بزرگ امید پسر شائستہ خاں (فرماندہ نیروی زمینی) و ابن الحسن (فرماندہ نیروی زمینی) و ابن الحسن (فرماندہ نیروی دریائی) بہ جالگاؤں و تسخیر آں (۱۰۷۲ھ/ ۱۶۶۵ء) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مذکورہ بالا مخطوطہ۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: ڈاکٹر آفتاب اصغر تاریخ نویسی در ہندو پاکستان از بابر تا اورنگزیب، مطبوعہ خانہ فرہنگ جمہوریہ اسلامی (ایران)، لاہور، پاکستان ۱۹۸۵ء ص ۳۳۸ تا ص ۳۴۰

۳۔ اس مقالے کے پیش نظر نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ، فورٹ ولیم کالج کے تحت مخطوطہ

فحسیہ عبرتیہ ہے جس کا اندراج نمبر شمار ۱۷۲ ہے۔ ملاحظہ ہونڈ کورہ مخطوطہ صفحہ ۱ تا صفحہ ۳

- ۴۔ ایضاً ص ۴
- ۵۔ ” ص ۱۶
- ۶۔ ” ص ۵
- ۷۔ ” ص ۵
- ۸۔ ” ص ۱۰
- ۹۔ ” ص ۱۵ تا ص ۱۳
- ۱۰۔ ” ص ۱۴ تا ص ۱۸
- ۱۱۔ ” ص ۲۳ تا ص ۲۴
- ۱۲۔ ” ص ۲۵
- ۱۳۔ ” ص ۲۶
- ۱۴۔ ” ص ۲۷
- ۱۵۔ ” ص ۲۸
- ۱۶۔ ” ص ۲۹
- ۱۷۔ ” ص ۱۱۹ تا ص ۱۲۲
- ۱۸۔ قبالہ: زمین کے متعلق خرید و فرخت کا معاہدہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ولسن کی گلو سری ص ۳۸۱
- ۱۹۔ قبض الوصول کی تفصیل کے لئے دیکھیں مومن کی کتاب: دی چانسلر ص ۱۲۵
- ۲۰۔ مخطوطہ فحسیہ عبرتیہ ص ۱۶۶ تا ص ۱۶۷
- ۲۱۔ ہر بنس مکھیا کی کتاب دی ہسٹری اینڈ ہسٹورین ڈیورنگ اینڈ آفٹر اکبر



# بختا و ر خاں کی تصنیف

## مرآة العالم کا تعارف

علاء الدین خاں

لکچر شعبہ تاریخ

شبلی نیشنل کالج، آعظم گڑھ

ترک ہندوستان آئے تو تاریخ نگاری کی عربی اور فارسی روایت بھی اپنے ساتھ لائے اور اس روایت کو ایران اور وسط ایشیا سے ہجرت کرنے والوں نے قائم رکھا۔ اس لئے گیارہویں صدی سے اٹھارویں صدی تک ایسے تاریخی ادب کا انبار لگ گیا جس میں عام تاریخیں، حکومتوں کی تاریخیں، علاقائی تاریخیں نیز سوانح اور تذکرے شامل ہیں، عہد وسطی کے ہندوستان میں فن تاریخ نگاری نے ارباب علم و فضل کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ جن ارباب کمال نے اسے اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا ان میں ضیاء الدین برنی، ابوالفضل، عبدالقادر بدایونی، محمد قاسم فرشتہ اور خانی خاں وغیرہ جیسے ممتاز مؤرخ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان مورخین نے دور وسطی کی تاریخ نگاری میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ مغل عہد اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس عہد میں دربار میں تاریخ نگاری کا ایک سرکاری محکمہ ہوتا تھا۔ دربار کے چند اہل قلم تاریخ نگاری پر مامور تھے۔ وہ روزانہ بادشاہ اور دربار کے چھوٹے بڑے واقعات اور سلطنت کے حوادث و وقائع کو ترتیب دے کر کتاب کی شکل میں مرتب کرتے اور پھر یہ کتاب حکمران وقت کو پیش کی جاتی تھی۔ اکبر نامہ اور شاہجہاں نامہ وغیرہ اسی قسم کی تالیفات ہیں جو شاہان مغل کی نگرانی میں ترتیب پائی ہیں۔ خود اورنگزیب کے ابتدائی دس سالوں تک یہ طریقہ رائج رہا۔ اورنگزیب

کے ابتدائی دس سالہ عہد حکومت کی تاریخ عالمگیر نامہ ہے جس کو منشی محمد کاظم بن محمد امین نے مرتب کیا ہے<sup>۲</sup>۔ محمد کاظم اس کا مسودہ مرتب کرتا تھا اور اس کو عالمگیر خود ملاحظہ کرتا تھا۔ یہ کتابیں اگرچہ حکومت کی جانب سے مرتب کرائی جاتی تھیں اور ان میں اسی کے نقطہ نظر کو پیش کیا جاتا تھا، لیکن ان بیانات کی صداقت اور صحت کی ذمہ داری انہیں مورخین کے سر ہوتی تھی اور ایک آزاد مورخ کے نام سے حکومت کی جابجا حمایت کرائی جاتی تھی، اس لئے بآسانی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ حکومت مخالفت امور سے متعلق ان کتابوں کا تاریخی پایہ استناد کیا ہو سکتا ہے؟

اورنگزیب کے درباری مورخین کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ وقائع اور اخبار نویسوں کے علاوہ صرف ایک درباری مورخ محمد کاظم تھا۔ عالمگیر نے منفی تاریخ نگاری کے سلسلہ کو یک قلم ممنوع قرار دے دیا تھا۔ عالمگیر نامہ کے مقدمہ میں ہے:

”چونکہ بندگان عالی اپنے قدرتی علم اور بلند حوصلگی کی بناء پر ظاہری چیزوں کی بقاء اور قیام کو ان کے فناء ہونے پر ترجیح نہیں دیتے تھے اس لئے باطنی اوصاف کو اجاگر کرنے کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے۔ اس لئے دس سال کے واقعات لکھنے کے بعد حکم دیا کہ عالمگیر نامہ کا مصنف جو ان کے مفاخر و مکارم کی داستان بیان کرتا ہے اس کے بعد کے واقعات کو قید تحریر میں نہ لائے۔ اس لئے اس نے اسی پر اکتفاء کیا۔<sup>۳</sup> عالمگیر نامہ کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی آزاد مورخ کا شاہکار ہے۔ سرکاری کتھونی کہ جس میں حکومت کے مخالفین کے نام تک حقارت آمیز انداز میں لکھے گئے ہیں عالمگیر نے اس غیر مناسب سلسلہ تاریخ نگاری کو بند کر دیا۔ عالمگیر نے سرکاری نگرانی میں تاریخ نگاری بند کرائی تھی۔ آزادانہ طور پر تاریخ نگاری کا سلسلہ نہیں روکا گیا تھا۔ آزاد اہل قلم جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے اس عہد کی تاریخ برابر لکھتے رہے۔ ان کی طویل فہرست ہے۔ انہیں میں سے ایک ”مرآۃ العالم“ بھی ہے۔

”مرآۃ العالم“ بختاور خاں کی تصنیف ہے جو اورنگزیب کا منظور نظر ملازم تھا اور دربار کا بڑا

صاحب رسوخ و ذی علم امیر تھا اس نے اورنگزیب کی ملازمت اس کے عہد شاہزادگی (1654) ہی میں اختیار کر لی تھی۔ اورنگزیب کی دوسری تخت نشینی (1659) کے وقت اسے خان کا خطاب ملا۔ 1669 میں داروغہ خواصان مقرر کیا گیا اور ایک ہزاری کا منصب عطا ہوا۔ جنگ تخت نشینی (1657-58) میں وہ اورنگزیب کی طرف سے جسوت سنگھ کے خلاف لڑا اور 1659 میں کجھو کی جنگ میں شجاع کے خلاف رہا۔ بختاور خاں شیخ عبدالقوی، شیخ نظام برہان پوری کی صحبت میں بھی رہا۔

عنفوان شباب ہی سے بختاور خاں تاریخ کا بڑا سرگرم طالب علم تھا، اس نے ششہ اسلوب تحریر کی مشق بہم پہنچائی تھی۔ محمد ساقی مستعد خاں بختاور خاں کے یہاں اس کے کاتب خاص اور تحاسب کے طور پر ملازم تھا۔ <sup>۸</sup>مرآۃ العالم ایک عمومی تاریخ ہے لیکن اورنگزیب کے عادات و خصائل اور اس کے عہد کے پہلے دس سالہ واقعات پر مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ <sup>۹</sup>مرآۃ العالم کے مصنف بختاور خاں کا بیان ہے کہ اسے ابتداء ہی سے تاریخ کے مطالعہ کا شوق تھا۔ لیکن مستقل سفر کی وجہ سے وہ اپنے ساتھ زیادہ کتابیں نہیں لے جاسکتا تھا۔ اورنگزیب کی تخت نشینی کے بعد اسے ایک جگہ رہنے کا موقع ملا۔ چنانچہ وہ اس کتاب کی تالیف میں مشغول ہو گیا۔ کتاب کی تکمیل 1667-68 میں ہوئی۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس میں ترمیم کرتا رہا کیونکہ اس میں 1683 تک کے واقعات درج ہیں۔ <sup>۱۰</sup>مرآۃ العالم کا تاریخی نام آئینہ بخت ہے۔ آئینہ بخت کے نام سے ایک مخطوطہ رام پور رضا لائبریری میں موجود ہے جس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد عالمگیر کی تصنیف ہے اور مصنف کا نام بختاور خاں ہے۔ مخطوطہ نہایت بوسیدہ ہے۔ آغاز کتاب الحمد للہ ذی الجواد بفضل انواع النعماء سے ہوتا ہے۔

اس میں مصنف کہتا ہے کہ ”میں نے اس تاریخ کو جدید طرز پر ایک مقدمہ سات آرائش اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے اور ہر آرائش میں چند نمائشیں ہیں اور ہر نمائش میں چند نمود“۔ لیکن آرائش ہفتم جس میں اورنگزیب کا ذکر ہے۔ اس کا نام بجائے آرائش کے پیرائش رکھا ہے۔<sup>۹</sup>

مرآة العالم عالمی تاریخ ہے اس میں پیغمبر اسلام کے علاوہ خلفاء، سلاطین، ائمہ، مشائخ، فلاسفہ، علماء قدیم، بزرگان دین، ایران کے شاہان قدیم، ہنوامیہ، بنو عباس، طاہری خاندان، سفاری، غزنوی، سلجوقی، سیتانی خاندان، خوارزم شاہ، ملوک طوائف، حکمران ہند وغیرہ کے اجمالی حالات ہیں۔ آخر میں عالمگیر کے عہد حکومت کی دس سالہ تاریخ ہے۔ اس کے اوصاف حمیدہ، سلطنت کے مختلف حصوں کا ذکر، اکبر سے اورنگزیب تک کے مشائخ، علماء، شعراء اور خوش نویسوں کے حالات ہیں۔<sup>۱۱</sup>

آرائش اول پانچ نمائش پر مشتمل ہے: نمائش اول میں بابر بادشاہ کے مختصر واقعات، اور بابر کی تصانیف کا ذکر ہے۔ نمائش دوم میں ہمایوں کے حالات۔ نمائش سوم میں اکبر کے حالات اور ہر سال کے مجمل واقعات کا بیان ہے۔ نمائش چہارم میں جہانگیر کے حالات ہیں۔ نمائش پنجم میں شاہجہاں کا مختصر ذکر ہے<sup>۱۲</sup> مرآة العالم جسے ساجدہ علوی نے تعلق و حواشی کے ساتھ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاه پنجاب، لاہور سے شائع کیا ہے، اورنگزیب کے احوال اور سیاسی کوائف نیز عہد اورنگزیب کے علماء مشائخ شعراء و خوشنویسوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس کی ابتداء آرائش ہفتم سے ہوتی ہے بخدا و رجاں اس تصنیف کی غایت بتاتے ہوئے رقم طراز ہے:

”واین آرائش عالم آرا کہ فی الحقیقت علت غائی تالیف این مجموعہ بدیہ است۔ بر سر پیرائش مرتب شدہ“۔<sup>۱۳</sup>

ساتویں آرائش کے حالات اور مخطوطہ آئینہ بخت (موجودہ رامپور) کے حالات یکساں ہیں اور فصلوں کی تقسیم بھی وہی ہے۔ غالباً ابتداء میں مصنف نے صرف بابر سے عالمگیر تک کے حالات لکھے اور اس کا نام آئینہ بخت رکھا۔ آرائش ہفتم کو تین پیرائشوں پر تقسیم کیا ہے:

پیرائش اول: اس میں عالمگیر کے بادشاہ ہونے کے قبل کے واقعات اور دہ سالہ حکومت کے واقعات ہیں۔<sup>۱۴</sup>

پیرائش دوم: اس میں عالمگیر کے عادات و اطوار، اولاد کے نام، ممالک محروسہ کی کیفیت، معاصر سلاطین کے نام ہیں<sup>۱۴</sup>۔ اس پیرائش کو چار نمائشوں پر تقسیم کیا ہے: نمائش اول میں عالمگیر کے شامل کا بیان ہے۔ مورخ کہتا ہے کہ میں ہر وقت حاضر خدمت سلطانی رہتا ہوں اس لئے میں ان کے مفصل عادات سے واقف ہوں<sup>۱۵</sup>۔ نمائش دوم میں اولاد کا ذکر ہے<sup>۱۶</sup>۔ نمائش سوم میں ممالک محروسہ کی مساحت کا بیان ہے<sup>۱۷</sup>۔ نمائش چہارم میں عالمگیر کے معاصر بادشاہوں کا ذکر ہے<sup>۱۸</sup>۔

پیرائش سوم: یہ دو نمود اور ایک افزائش پر مشتمل ہے۔ نمود اول اس زمانے کے مشائخ کرام پر مشتمل ہے<sup>۱۹</sup> نمود دوم میں اکبر سے اورنگزیب تک کے علماء کا ذکر ہے۔<sup>۲۰</sup>

افزائش۔ یہ تین نمود پر مشتمل ہے۔ نمود اول خوشنویسوں کے ذکر پر<sup>۲۱</sup>۔ نمود دوم اس زمانے کے بعض عجائب و غرائب پر مشتمل ہے<sup>۲۲</sup>۔ نمود سوم میں مصنف نے خود اپنی تعمیرات کی تفصیل بیان کی ہے<sup>۲۳</sup>۔ نمود چہارم میں شعراء کے حالات حروف تنہی کے لحاظ سے بیان کئے گئے ہیں۔

بختاور خاں مرآۃ العالم کی تالیف کے دو سبب بتاتا ہے: (۱) علوم تاریخ سے ذہنی دلچسپی اور (۲) اورنگزیب کی ظاہری و باطنی پارسائی نیز اس کے ممتاز کارناموں کو قید تحریر میں لانا<sup>۲۴</sup>۔ اس کتاب کی نوعیت اور اسلوب تحریر سے بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسرا سبب ہی اس کے لکھنے کا محرک بنا۔ خاتمہ کتاب پر بختاور خاں نے اپنے آپ کو اس کتاب کا مصنف بتایا ہے<sup>۲۵</sup>۔ اس نے مندرجہ ذیل تصانیف کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

(۱) چار آئینہ (1657) اس میں ان چار لڑائیوں کا ذکر ہے جسے لڑ کر اورنگزیب عالمگیر نے تخت

شاہی حاصل کیا

(۲) ریاض الاولیاء: جو مسلم اولیاء اور مشاہیر کے سوانح پر مشتمل ہے

(۳) انتخابات امجد یقہء سنائی: تاریخ الفی، اخبار الاخبار، دیوان صائب وغیرہ

ماثر عالمگیری کے مصنف مستعد خاں نے بختاور کی اس مدلل اور آسان تصنیف اور علم تاریخ سے اس کی دلچسپی کی تعریف کی ہے اور اس کے اس ممتاز کام کو اہمیت دی ہے<sup>۲۶</sup>۔ بختاور خاں کی وفات کے بعد مستعد خاں نے بادشاہ سے یہ درخواست کی کہ مرآۃ العالم ایک اہم تصنیف ہے اور بڑی دلجمعی اور باریک بینی کیساتھ ترتیب دی گئی ہے لہذا اسے نقل کرنے و تقسیم کرنے کی اجازت ہونی چاہئے تاکہ مصنف کا نام زندہ رہے۔ یہ درخواست قبول ہوئی اور نقل و تقسیم کی اجازت ملی<sup>۲۷</sup>۔ مرآۃ العالم کے مصنف پر رائے زنی کرتے ہوئے اسٹوری، ریو اور ایلیٹ وڈاؤسن لکھتے ہیں کہ گو بظاہر اس کتاب کا مصنف بختاور خاں ہی ہے لیکن درحقیقت اسے محمد بقاء نے اپنے دوست بختاور خاں کی طرف سے لکھ کر پیش کیا۔ محمد بقاء نقش بندی سلسلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے سہارنپور کے بخشی اور واقعہ نگار کے عہدہ پو ما مور کیا گیا تھا<sup>۲۸</sup> محمد شفیع اور محمد رضا نے (محمد بقاء کے بھائی اور بھتیجے) محمد بقاء کی وفات کے بعد مرآۃ جہاں نما کو مرتب کیا۔ اس کتاب میں بقاء نے بختاور کی شان میں اپنے خیال کا اظہار کیا ہے۔ بختاور خاں نے بھی بقاء سے اپنے قریبی تعلق کے بارے میں لکھا ہے اور مرآۃ کی تدوین میں اس کی مدد کا اعتراف کیا ہے اور علم تاریخ میں اس کی بصیرت نیز نظم و نثر پر یکساں عبور کی تعریف کی ہے<sup>۲۹</sup> مآثر الامراء اور مآثر الکرام میں بھی مرآۃ العالم بختاور خاں کی تالیف بتائی گئی ہے<sup>۳۰</sup> مذکورہ ثبوت کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ مرآۃ العالم یقیناً بختاور خاں کی تصنیف ہے اور ساقی مستعد خاں و محمد بقاء نے اس کی ترتیب میں بختاور خاں کی مدد کی ہے۔

بختاور خاں نے تیس سال تک اورنگزیب کی خدمت کی ۹ فروری ۱۶۸۵ء کو بختاور خاں داروغہ خواصان نے رحلت کی۔ بادشاہ کو اس صاحب فہم و فراست کے انتقال سے بے حد افسوس ہوا، فرمان مبارک کے مطابق بختاور خاں کا جنازہ عدالت گاہ کی طرف سے لایا گیا اور خود بادشاہ وقت نے نماز جنازہ پڑھائی اور

چند قدم جنازہ کے ہمراہ تشریف لے گیا۔ بختاور خاں علماء، فقراء و شعراء کو بے حد عزیز رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور باکمال حضرات کا ہمیشہ معاون و مددگار رہا کرتا تھا۔<sup>۳۱</sup>

مرآۃ العالم اور عالمگیر نامہ کے تقابلی موازنہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عہد اورنگ زیب کے دس سالہ سیاسی واقعات مصنف نے عالمگیر نامہ سے لیے ہیں۔ اپنی کتاب کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے بعض سیکشن کی تلخیص کی ہے اور بعض جگہ اضافہ بھی۔ اس نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ 'عالمگیر نامہ' مرآۃ العالم کا بنیادی ماخذ ہے۔ دونوں کتابوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ مرآۃ عالمی تاریخ ہے جو کائنات کی تخلیق سے متعلق ہے۔ اس کے مؤلف نے کتاب میں درباری مدارج کی سی روش اختیار کی ہے، اس کی عبارت میں ہزار تکلف، بناوٹ، طوالت اور دشوار پسندی ہے۔ جہاں اورنگ زیب کی پالیسی، فوجی مہمات، شاہی خاندان، منصب داران اور اس کی کامیابی اور حکمت عملی کی تعریف کی گئی ہے وہیں اس کے دشمنوں کی مذمت موجود ہے۔ سیاسی واقعات کے علاوہ اس میں تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی زندگی کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ دونوں کتابوں میں سیاسی واقعات اور فوجی مہمات کو ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اگر مرآۃ اور عالمگیر نامہ کا مقابل کیا جائے تو اسلوب نگارش اور طرز بیان کے علاوہ دونوں میں زیادہ فرق نظر نہیں آتا۔ عالمگیر نامہ نازیہ چاچلوسی اور مذمت سے بھرا ہے، اورنگ زیب کی مدح میں مصنف مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے۔ اس کی وجہ سے اورنگ زیب مصنف پر نوازشات کی بارش کرتا ہے۔ مرآۃ کا مصنف نہ تو بے جا چاچلوسی کرتا ہے اور نہ ہی فحش گوئی سے کام لیتا ہے۔ اس کا اسلوب نگارش سہل اور آسان ہے۔

عالمگیر نامہ کے مصنف نے اورنگ زیب اور داراشکوہ کی جو شبیہ پیش کی ہے اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا رویہ اورنگ زیب کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ کس طرح کا ہے مثلاً عالمگیر نامہ میں کاظم رقمطراز ہے:

”وچوں طینت فتنہ سرشت اور برکینہ جوئی و فساد انگیزی مجبوست سلوک طریق حلم و مدارا

باد۔ سودی ندارد لا جرم رای جہاں آرائی کہ جلوہ گاہ شواہد رموز آسمانی و مطلع انوار الہام ربانیت چنان اقتضاء نمود کہ پیش ازین صبر بر اوضاع و اطوار نکوہیدہ و اعمال و افعال ناپسندیدہ آن جاہل نظر نہ فرمایند،<sup>۳۳</sup>

مصنف کی طرز تحریر کی یہ ایک مختصر سی مثال ہے۔ اپنی پوری کتاب میں وہ اورنگ زیب کے بھائیوں اور اس کے دشمنوں کے نام بگاڑ کر لکھتا ہے جیسے داراشکوہ کو بے شکوہ اور شجاع الدولہ کو ناشجاع وغیرہ، جبکہ مرآۃ اس طرح کے بیان سے پاک ہے۔ کاظم دارا کی مذہبی کج روی اور اس پر اورنگ زیب کے رد عمل کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے:

”وایں خدیو دین پرور پاک اعتقاد را کہ ہمیشہ حمایت دین مبین و رعایت شرع حضرت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ و سلام علیہ و علی آلہ و اصحابہ الطہیین نصب العین ضمیر منیر است۔ و مقصود از سلطنت و دولت ترویج شرع و ملت و غرض از شاہی و سروری اعلاء اعلام دین پروری میدانند، و ہموارہ از غنفلان صبی و شباب بہمتھائی سعادت فشی و نیک سرانجامی۔ خلاصہ اوقات گرامی باداء فرائض و سنن و نوافل مصروف داشتہ۔ حتی المقدور در اقامت مراسم امر معروف و نہی منکر کوشش می نمایند از استماع ایں عقائد رویہ و اطوار باطلہ (داراشکوہ) ازاں بی سعادت و خیم العاقبت عرق حمیت دیں و مسلمانی بحرکت می آمد،“<sup>۳۳</sup>

انہیں باتوں کو بختا و رخاں مرآۃ العالم میں بہت ہی اجمال سے بیان کرتا ہے:

”ایں خدیو دیں پرور پاک اعتقاد را از استماع ایں عقائد و اطوار باطلہ عرق حمیت دیں بحر می آمد تا آنکہ ذمائم اخلاق و افعال آں بمرتبہ کمال رسید و غیرت الہی مکافات آں عقائد و اعمال را بکال و استیصال او تعلق گرفت،“<sup>۳۴</sup>

کاظم دسمبر ۱۶۶۷ء میں دلیر خاں کی تقرری کو جو کہ چاندہ کے زمیندار کو کچلنے کے لئے کی گئی تھی، بہت طویل عبارت میں بیان کرتا ہے جبکہ مرآۃ العالم میں اسے بہت ہی مختصر اور آسان لفظوں میں بیان کیا

گیا ہے۔<sup>۳۵</sup> عالمگیر نامہ کی بے جا طوالت سے صرف نظر کرتے ہوئے واقعات کو آسان اور سہل طریقہ سے چنا جاسکتا ہے جیسا کہ مرآۃ العالم کے مصنف نے دلیر خاں کی چاندہ کے زمیندار کو کچلنے کی مہم میں کیا، اگرچہ ہم دونوں ہی سے کسی غیر جانبدار تنقیدی رویہ کی امید نہیں کر سکتے۔

بختاور واقعات کے بیان میں ایک متوازن طریقہ اپناتا ہے۔ دونوں مورخ دارالسلطنت میں موجود ہیں۔ اگرچہ بختاور اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اسے بادشاہ اورنگزیب کے ساتھ مختلف مہمات پر جانے کا موقع ملا اور مختلف سفروں میں وہ اورنگزیب کے ساتھ رہا جبکہ کاظم ایک درباری مورخ تھا۔ بختاور تاریخ علمی ذوق کی تسلی کے لئے لکھ رہا تھا۔ بختاور کے پورے بیان میں شاہی خاندان سے متعلق کسی فرد کو برے ناموں اور نفرت سے یاد نہیں کیا گیا ہے۔ دونوں مورخ اورنگزیب کو شرع کا پابند اور ایک مثالی بادشاہ مانتے ہیں اور باغی ہندو راجپوت، مراٹھا، یوسف زئی اور افغان وغیرہ کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بختاور شیواجی سے متعلق ”چھٹے سن جلوس میں“ مرآۃ میں لکھتا ہے:

”این ایام آنکہ چوں امیر الامراء صوبہ دار دکن و مہاراجہ جسونت سنگھ بادگیر جنود قاہرہ باستیصال شیواجی مقہور مامور بودند، آن بد عاقبت از صولت لشکر ظفر اثر قالب تہی کردہ، چارہ کار در قبا بوظلی جست و پاس وقت بی احتیاطی داشتہ بشعار حرمیاں خیرہ سرچندی را بر گماشتہ تا شب ہنگام نقب بخانہ امیر الامراء زدند و چوں زمانہ بساخ شدن ایں چشم زخم بسان زخم چشم واداشت، آں زبدۂ نوینان وقتی از خواب بی خرمی دیدہ کشود کہ زیادہ سر آں بخوابگاہ رسیدند و باوجود ایں حالت اضطراب خان شہامت غشی، بصرامت ذاتی از جا، زلفۂ نیزہ در دست گرفتہ دلف مقابل را بیک صرب از پادراںداشت، از دست دیگر بزرخم شمشیر شاہ اش (شباہت خاں) بریدہ شد و پسرش ابوالفتح خاں کہ در حد اثن سن بود و ستیزہ آوازی نمودہ شہید گشت و ازین غوغا مردم خبردار شدہ جمعی از بیدینان را بجہنم واصل گردایندند و جمعی بفر از جاں بدر بردند و ایں معنی کہ از غفلت آن عمدۂ امراء نامدار واقع شدہ“<sup>۳۶</sup>

مذکورہ واقع کو کاظم خاں نے مختصراً بیان کیا ہے۔ عالمگیر نامہ میں بہت سے چھوٹے بڑے منصب داروں کا ذکر ملتا ہے اور ان منصب داروں کے متعلق مرآۃ سے ہمیں اضافی معلومات ملتی ہیں جیسے تخت نشینی کی جنگ میں داراشکوہ کی شکست کے بعد اورنگزیب نے اکبر آباد کے قریب ان لوگوں کے منصب میں اضافہ کیا جنہوں نے اس جنگ میں اورنگزیب کا ساتھ دیا تھا۔ جنگ تخت نشینی کے سلسلے میں بہت سے قابل ذکر اضافے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بختاور خاں اس پورے تنازعہ میں اورنگزیب کے ساتھ رہا اس طرح کی ایک مثال درج ذیل ہے:

”ویاز دہم شوال کہ نیز مقام بود سید منصور ولد سید خاں جہان از ہمراہان سلطان مراد بخش بمنصب سہ ہزاری ہزار و پانصد سوار و (بہ) عنایت خلعت افتخار اندوخت۔ دو از دہم کیرت سنگھ ولد راجہ جے سنگھ بطنائی علم و دھکد بکی مرصع شمول نوازش شدہ بجہت تنبیہ عنفران میوات مرخص گردید و معمور خاں با نعام چہار ہزار روپیہ، بہرہ اندوز عنایت گردید“<sup>۳۷</sup>

منصب داروں کے سلسلے میں اسی طرح کے اضافے مرآۃ میں جگہ جگہ کئے گئے ہیں۔ یہ ایک عجیب دلچسپ بات ہے کہ بختاور خاں نے بادشاہ عباس ثانی (۱۶۲۶ میں ایران کا بادشاہ) کے ہندوستان پر حملے کے ارادے کا بیان اپنی کتاب میں کیا ہے اور اس کی وفات کے بعد ایرانیوں کے تاثرات کو مرآۃ میں اس طرح لکھا ہے:

”غره ربیع الاول ایس سال نصرت مال کہ سلخ ماہ حیات آں فتنہ سگال بود، نزدیک موضع خار سمنان از کف ساقی اجل ساغر ممات در کشید و از وقوع ایس قضیہ سپاہ در عیت ایران زمین کہ از دست بیداد و خود کامی او در بین ہزار گونہ تشویش و تفرقہ بودند، خرم و شاد ماں گشتند امراء و ارکان دولت ایران صفی مرزا پسر بزرگ اورا کہ در اصفہان نظر بند بود“<sup>۳۸</sup>

مذکورہ واقعہ کا ذکر عالمگیر نامہ میں نہیں ہے جہاں تک منصب داروں کا تعلق ہے عالمگیر نامہ

کے مقابلے میں بختاور خاں منصب داروں کا ذکر تفصیل سے کرتا ہے۔ اس طرح اگر عالمگیر نامہ اور مرآۃ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو بہت سی چھوٹی چھوٹی چیزیں ایسی ہیں جن کا ذکر عالمگیر نامہ میں نہیں ملتا ایسے مواقع پر ہمیں مرآۃ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مرآۃ العالم اور مآثر عالمگیری میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ تخت نشینی کی جنگ میں داراشکوہ کی شکست کے بعد اورنگزیب نے شاہجہاں کو ایک خط لکھا جس میں وقوع پذیر واقعات کی معافی مانگی تھی۔<sup>۳۹</sup> چھٹے سن جلوس میں عالمگیر سیر و سیاحت کے لئے کشمیر گیا۔ پیر پنجال سے گزرتے ہوئے ایکسڈنٹ ہو گیا جس میں بہت سے ہاتھی اور شاہی نوکر چاکر مر گئے۔ یہیں پر بادشاہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اب دوسری بار وہ کشمیر کا رخ نہیں کرے گا۔ عہد اورنگزیب کی سیاسی تاریخ کے علاوہ بختاور نے اورنگزیب کی شخصیت و کردار، مذہبی پالیسی، شہزادے اور شہزادیوں کے حالات وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے لئے اس نے عالمگیر نامہ کا بہت زیادہ سہارا نہیں لیا ہے بلکہ مستعد خاں نے اس طرح کے موضوع کے لئے مرآۃ کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ فرق صرف واقعات کی ترتیب اور اسلوب نگارش میں ہے۔ مواد یکساں ہے عہد اورنگزیب کے کارناموں میں فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کو ایک بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ذکر مستعد خاں نے مآثر عالمگیری میں بہت ہی تفصیل سے کیا ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ مستعد خاں نے صیغہ ماضی کا استعمال کیا ہے۔ وہ زیب النساء سے شروع کرتا ہے جو کہ اورنگزیب کی بڑی لڑکی تھی۔ مستعد خاں نے شاہی افراد کے بیان میں تذکیر و تانیث کا خیال رکھا ہے۔ مآثر عالمگیری کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے مرآۃ العالم سے پورا فائدہ اٹھایا ہے، یہاں تک کہ واقعات کو ہو بہو نقل کر دیا ہے۔ عبارت بھی بدلنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ عموماً مآثر عالمگیری کو عہد اورنگزیب کی تاریخ کے لئے ایک لازمی ماخذ سمجھا جاتا ہے لیکن اورنگزیب کے پہلے دس سالہ عہد کے مطالعہ کے لئے 'عالمگیر نامہ' اور مرآۃ العالم کے بغیر یہ نامکمل ہے۔ ساقی مستعد خاں خود یہ لکھتا ہے کہ تفصیلی مطالعہ کے لئے عالمگیر نامہ سے رجوع کریں لکھا عالمگیر نامہ اور مرآۃ کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ عالمگیر نامہ مرآۃ کا بنیادی ماخذ ہے، ہاں بختاور نے اپنی کتاب کی اہمیت کو قائم رکھنے کے لئے اپنی عبارتوں میں کچھ اضافے ضرور کئے ہیں۔

اورنگزیب کے عہد کی تاریخی کتابوں کو اگر اسائل اور پیرایہ بیان کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بڑی آسانی سے مآثر عالمگیری، مرآۃ العالم اور منتخب الملباب کو ایک فہرست میں رکھا جاسکتا ہے۔ عالمگیر نامہ، واقعات عالمگیری اور وقائع نعمت خاں عالی کی عبارت مرصع و مسجع، پیچیدہ اور مبہم ہونے کے ساتھ ساتھ تصنع اور تکلف سے پر ہے۔ اس لئے انہیں ایک فہرست میں رکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مرآۃ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں صوبوں کی جغرافیائی اور معاشی حالت نیز مال گزاری کی آمدنی وغیرہ کا اجمالی ذکر ہے۔ یہ کتاب اورنگزیب کے ابتدائی دس سال کے عہد کے معاشی حالت پر کام کرنے والوں کے لئے مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ بختاور بشمول دیگر مورخین ابتدا ہی سے اس پس و پیش میں رہا کہ اورنگزیب کی اپنے بھائیوں کے ساتھ تخت نشینی کی جنگ اور باپ کی موجودگی میں بادشاہ بننے جیسے واقعات کو کس طرح جائز ٹھہرائیں۔ اس دُر سے کہ ہیرو کی شخصیت پر کہیں دھبہ نہ آجائے بختاور آگرہ کا محاصرہ، شاہجہاں کی قید، دوران تخت نشینی اور اس کے بعد باپ بیٹے کے درمیان خط و کتابت جیسے واقعات کا ذکر نہیں کرتا۔ اس کے لئے ہمیں عمل صالح، واقعات عالمگیری نیز آداب عالمگیری وغیرہ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ بختاور نے شاہجہاں کی دارا کے ساتھ جانب داری، اس کے مذہبی نظریات اور شریعت کے تحفظ کے سلسلہ میں اورنگزیب کے نظریات اور قانون و ضوابط کی بحالی کو تخت نشینی کی جنگ کا پیش خیمہ بتانے کی کوشش کی ہے<sup>۴۲</sup> بختاور اورنگزیب کو اسلام کا ہیرو بتاتے ہوئے اس کے مخالفین کی برائی سخت لفظوں میں کرتا ہے اور جسونت سنگھ کے لئے فرقہ پرست کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ بختاور لکھتا ہے کہ اورنگزیب نے میدان جنگ میں جو فتح پائی وہ اپنی صلاحیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس میں مشیت ایزدی شامل تھی۔<sup>۴۳</sup> اسی طرح 1659 میں دارا شکوہ کے خلاف دیورائی کی جنگ میں فتح کا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ اورنگزیب کے تربیت یافتہ سپاہیوں اور ان کی مہارت کے باعث نہیں بلکہ حضور کی روحانی مدد کا نتیجہ تھی۔ اسی انداز پر اپنے سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے بختاور اورنگزیب کی پہلی تخت نشینی کی تاریخ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم (1068 A.H) سے نکالی ہے۔ سٹوں پر کلمہ کندہ کرانے پر پابندی کے سلسلے میں بختاور کا کہنا ہے کہ اورنگزیب نے ایسا اس لئے کیا کیونکہ سکہ عوام کے ہاتھوں میں خصوصاً کافروں کے ہاتھوں میں جاتا تھا۔<sup>۴۴</sup> دوران جنگ تخت نشینی اورنگزیب

نے شاہ مدار، شیخ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین کے مقبروں کی زیارت کی۔<sup>۳۵</sup> اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ اورنگزیب صوفیاء سے عقیدت رکھتا تھا۔ مراد بخش کی گرفتاری اور داراشکوہ کے قتل کو جائز ٹھہراتے ہوئے بختاور خاں رقم طراز ہے کہ شریعت کے تحفظ، سلطنت کی فلاح و بہبود نیز اسے مستحکم بنائے رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اورنگزیب داراشکوہ کا خاتمہ کر دے۔<sup>۳۶</sup> فوجی مہم اور بغاوت کے بیان میں مرآۃ کے مصنف نے جو مذہبی اصطلاح استعمال کی ہے اس کی شناخت بآسانی ہو سکتی ہے جیسے 63-1662 میں کوچ بہار اور آسام پر حملہ کے لئے جو شاہی فوج بھیجی گئی اسے بختاور خاں نے لشکر اسلام، مجاہدین اسلام اور دشمن کو کفار کا نام دیا ہے۔ بختاور کہتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار کفار مارے گئے۔ جام شہر کا نام بدل کر اسلام نگر رکھنے کا فرمان جاری ہوا۔<sup>۳۷</sup>

مذکورہ رجحانات نے واقعات کو مذہبی رنگ دے دیا ہے اور ایسے مواقع پر بختاور، برنی اور دلی سلطنت کے دوسرے مورخین سے متاثر نظر آتا ہے۔ مصنف نے معجزہ اور نصرت خداوندی کو جنگ تخت نشینی میں فتح کا ہم عنصر مانا ہے، جبکہ اورنگزیب کے عہد کی دوسری کتابوں میں اس طرح کا اظہار برائے نام ملتا ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس طرح کی اصطلاح کا استعمال مورخ نے جان بوجھ کر کیا ہے یا غیر شعوری طور پر اتفاقاً ایسا ہو گیا ہے۔ بختاور اورنگزیب کی تعریف کرتا ہے کہ بادشاہ نے اسلامی تعلیمات کے احیاء کی کوشش کی اور شریعت کے مطابق اپنی پالیسیوں کو نافذ کیا۔ اگر ان پہلوؤں پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بختاور صرف ایک پہلو کی تصویر کشی کر رہا ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ اکبر کے سلسلے میں ابوالفضل نے کیا۔ بختاور بڑے ہی فخر کیساتھ کہتا ہے کہ مندروں کا انہدام ہوا اور ان کی جگہ مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ متھرا اور بنارس کا نام بالترتیب اسلام آباد اور محمد آباد رکھا گیا۔ جزیہ نافذ کیا گیا اور ہندوؤں کو شاہی نوکریوں سے الگ کیا گیا۔ جدید مورخین نے مندروں کے انہدام، جزیہ کے نفاذ اور شاہی نوکریوں میں ہندوؤں کی شمولیت پر بہت کچھ لکھا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بختاور کا بیان حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔<sup>۳۸</sup> جہاں تک شہروں کے نام بدلنے کی بات ہے اورنگزیب ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ جنوبی ہندوستان میں واقع برہم پوری میں تعینات ایک افسر میر حسن نے اورنگزیب کو اس کے برہم پوری

پہنچنے سے پہلے لکھا کہ ”اسلام پوری کا قلعہ کمزور ہے اور آپ عنقریب وہاں پہنچنے والے ہیں قلعہ مرمت چاہتا ہے اس سلسلے میں آپ کا کیا حکم ہے؟“ اور نگزیب نے جواب دیا ”اسلام پوری“ لفظ لکھ کر تم نے مناسب نہیں کیا اس کا پرانا نام برہم پور تھا، تمہیں وہی لکھنا چاہئے تھا، جسم کا قلعہ تو اس سے بھی زیادہ کمزور ہے اس کا بھی کچھ علاج سوچا۔<sup>۴۹</sup> بختاور نے اپنے عہد کی سماجی اور مذہبی زندگی کی بھی تصویر کشی کی ہے۔ عہد اور نگزیب کے علماء و مشائخ نیز شعراء و خطاطوں کا ذکر کیا ہے۔ مؤثر عالمگیری اور عالمگیر نامہ میں اس طرح کی چیزوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مرآۃ العالم سے اس عہد کے سماجی مذہبی ماحول کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور نگزیب کو علماء و مشائخ سے دلچسپی تھی اور دور دراز سے علماء و مشائخ شاہی دربار میں آئے۔ خدا ترس بادشاہ نے ان کی عزت افزائی کی۔<sup>۵۰</sup> بختاور نے مرآۃ میں ان تمام صوفیاء کا ذکر نہیں کیا ہے جنہوں نے دربار کی زیارت کی بلکہ اس نے چند مخصوص صوفیاء کا ذکر کیا ہے جن ۲۵ مشائخ کا ذکر مرآۃ میں ہے۔ سب بختاور کے ہم عصر ہیں۔ ان صوفیاء میں سے کوئی بھی شاہی خدمت پر مامور نہیں رہا۔ تخت نشینی کی جنگ سے پہلے اور نگزیب کا تعلق شیخ برہان خطاری، سید شیخ محمد قادری برہان پوری، سید فیروز اور شیخ عبداللطیف برہان پوری سے رہا۔ آخر الذکر سے اور نگزیب کا گہرا تعلق تھا اور اس کا اور نگزیب کی شخصیت پر بھی اثر پڑا۔ چشتی صوفی میر قنوجی سے بادشاہ ہفتہ میں تین روز الغزالی کی احیاء العلوم اور فتاویٰ پر بحث کرنے کے لئے ملتا تھا<sup>۵۱</sup> اور نگزیب نے اپنے تعلقات کسی خاص سلسلہ تک محدود نہیں رکھے تھے، بلکہ خطاریہ، نقشبندیہ، چشتیہ تینوں سے اس کا تعلق تھا۔ شیخ محمد معصوم ابن شیخ احمد سرہندی سے اس کے تعلقات اچھے تھے۔ مرآۃ میں مذکور ۲۵ مشائخ میں سے ۱۱ مشائخ روز آند دربار میں حاضری دیتے تھے اور بادشاہ ان کا خیال کرتا تھا جو کسی وجہ سے نہیں آتے تھے وہ بادشاہ سے خط و کتابت کے ذریعہ تعلق رکھتے تھے<sup>۵۲</sup> بادشاہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے لئے عبدالفتح بڑی عزت کیساتھ گجرات سے لائے گئے، جنہیں مثنوی مولانا روم پر عبور حاصل تھا۔<sup>۵۳</sup> جہاں تک صوفیاء اور شیوخ کی بات ہے اس سلسلے میں مرآۃ بہت ہی اہم کتاب ہے۔

مرآۃ میں تقریباً ۵۲ علماء کا ذکر بھی ہے جن میں سے ۲۱ عہد اکبر سے ۱۰ عہد جہانگیر و شاہجہاں اور ۲۱ عہد اورنگزیب سے متعلق ہیں اورنگزیب کے عہد سے پہلے کے علماء کے لئے بختاؤر کا مأخذ منتخب التواریخ، بادشاہ نامہ، اور کلمات الصادقین وغیرہ ہیں۔ اس کا اپنا اصل کام علماء عہد اورنگزیب پر ہے۔ علماء کے بیان میں بختاؤر ان کی علمی صلاحیت، شاہی ملازمت میں ان کا مقام اور ان کی تاریخ وفات وغیرہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس نے علماء کے ان طبقوں کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے صدر، مفتی، محتسب، میر عدل اور خطیب کے عہدے پر کام کیا یا جنہوں نے کسی نہ کسی شکل میں انتظامی اور سیاسی امور میں اپنا کردار ادا کیا۔ بختاؤر نے ان علماء کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ کسی سفارش کے باعث اورنگزیب کے قریب ہوئے یا کسی عہدے پر فائز ہوئے جیسے عبدالعزیز اکبر آبادی کا تعارف خود بختاؤر اور ہمت خاں نے کرایا۔ بادشاہ نے ان کی بعض تصنیفات کا مطالعہ کر کے ان کا تقرر عرض مکرر کے عہدہ پر کیا۔ ۵۷ قاضی حسین جو پوری کی بھی سفارش بختاؤر نے کی۔ ان کا تقرر فتاویٰ کی تدوین کے لئے کیا گیا۔ ایسے علماء کا بھی مرآۃ میں ذکر ہے جنہوں نے سفارش کے باوجود بھی عہدہ قبول نہیں کیا جیسے مولانا عبداللہ ابن ملا عبدالکلیم سیالکوٹی کے لئے بختاؤر نے صدر کے عہدہ پر تقرری کی سفارش بادشاہ سے کی لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ ۵۸ سلطنت کے دوسرے ملازمین کی طرح علماء کو بھی دربار کے آداب کا پاس و لحاظ کرنا پڑتا تھا۔ کچھ ایسے علماء بھی تھے جنہیں اس طرح کے تکلفات سے مستثنیٰ کیا گیا: شیخ نظام کو ان کے زہد و تقویٰ اور علمی صلاحیت کی بنیاد پر تسلیم اور کورنش بجالانے سے مستثنیٰ کیا گیا تھا جبکہ دوسرے علماء کو اس طرح کی سہولیت نہیں تھی۔ ۵۹ فتاویٰ کی تدوین میں شامل پانچ علماء کا بھی ذکر بختاؤر نے کیا ہے جیسے شیخ نظام، قاضی محمد حسین جو پوری، سید علی اکبر سعد اللہ خاں، ملا حامد جو پوری، اور ملا محمد اکرام کے علاوہ اورنگزیب کے اساتذہ میں عبداللطیف سلطان پوری، میر ہاشم کیلانووی، محی الدین عرف ملا مومن۔ ۶۰ ملا عبداللطیف کے بارے میں اورنگزیب یہ کہا کرتا تھا کہ میں نے جو کچھ سیکھا عبداللطیف سے سیکھا۔ ۶۱ اس لحاظ سے مشائخ اور علماء پر کام کرنے والوں کے لئے مرآۃ مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

مرآۃ میں ہمیں خوشنویسوں سے متعلق بھی اطلاعات ملتی ہیں۔ عہد اسلامی کے خوشنویسوں کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے بختاور نے اہم خوشنویسوں کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ تاہم اس میں مغل عہد اور خصوصاً عہد اورنگزیب کے خوشنویسوں کا ذکر ہے۔ اس سیکشن کی تکمیل کے لئے مصنف نے آئین اکبری منتخب التواریخ کے علاوہ دوسری کتابوں سے بھی مدد لی ہے اور کہیں کہیں اضافہ بھی کیا ہے۔ مصنف نے اپنے عہد کے بعض عجائب و غرائب نیز شعراء کا بھی ذکر کیا ہے۔

مرآۃ عہد وسطیٰ کی بہت سی کتابوں کی طرح ایک کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مصنف روایتی فارسی نگاری سے متاثر ہے۔ بختاور کو تاریخ سے دلچسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مرآۃ لکھی جو ایک عمومی تاریخ ہے۔ لیکن اورنگزیب کے عادت و خصائل اور اس کے عہد کے پہلے دس سالہ واقعات پر یہ ایک مستند کتاب ہے مصنف کے اہم ہیرو بادشاہ اور اس کے منصب دار ہیں۔ مصنف کا یہ تاثر ہے کہ تخت نشینی کی جنگ سے لیکر دسویں سن جلوس کے اختتام تک اورنگزیب انتظامی اداروں کے چلانے میں بخوبی کامیاب رہا۔ جہاں تک تاریخ نگاری کے اصول کی بات ہے تو اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں جو اصول رائج تھا ان کو برتنے میں وہ کامیاب رہا۔ حقیقت بیانی اور سادگی اس کی تاریخ نگاری کا وصف ہے۔ عبارت تصنع و تکلف سے پاک ہے، تحریر میں روانی ہے اور طویل تمہید سے بھی مصنف نے گریز کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے عہد اورنگزیب سے متعلق کچھ ایسی اطلاعات فراہم ہوتی ہیں جو کسی اور کتاب میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ کتاب عہد اورنگزیب کے لئے نہایت ہی اہم ہے۔

بختاور کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ اس نے تاریخ کو عوام سے جوڑنے کی کوشش کی ہے اور کتاب میں ہر طرح کے طبقے کو جگہ دی ہے مثلاً علماء، مشائخ، صوفیاء، شعراء اور خطاط وغیرہ کا ذکر اس نے بڑی ہی خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس نے کوئی نئی روایت قائم کی ہے۔ اس طرح کی مثالیں عہد وسطیٰ کے دوسرے مؤرخین کے یہاں ہم کو ملتی ہیں۔ بختاور کی کتاب سیاسی اور انتظامی اصطلاحات کے

علاوہ مذہبی، تمدنی و ثقافتی زندگی سے متعلق بھی معلومات فراہم کرتی ہے۔ بختاور کی یہ کتاب جہاں تھوڑا بہت مذہبی رنگ لئے ہوئے ہے وہیں اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں سماج کے تمام طبقوں کا ذکر موجود ہے جو سماجی تاریخ کے اہم پہلوؤں پر تحقیق کرنے والوں کے لئے مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

### حوالہ جات:

- ۱۔ محبت الحسن، ہندوستانی دور وسطی کے مؤرخین، نئی دہلی ۱۹۸۵ء، ص ۲۱۷
- ۲۔ ریاست علی ندوی، عہد عالمگیر میں تاریخ نویسی، معارف، آعظم گڑھ، جلد ۲۹، شمارہ ۵، ص ۳۳۰
- ۳۔ صباح الدین عبدالرحمن، بزم تیموریہ، دارالمصنفین، آعظم گڑھ، ۱۹۴۸ء، ص ۲۸۹
- ۴۔ محمد بختاور خاں، مرآۃ العالم، جلد ۱، برگ ۳۸۷ ب، مقدمہ و حواشی ساجدہ س علوی، دانشگاه پنجاب، لاہور، اگست ۱۹۷۹ء، ص ۱۶۵
- ۵۔ ایضاً، ص ۱۷۱، (مقدمہ ساجدہ س علوی)
- ۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۴، دانشگاه پنجاب، لاہور، ص ۱۲۷
- ۷۔ نور الحسن، فارسی ادب بعبد اور نگریب، دہلی، ۱۹۶۹ء، ص ۴۶۵
- ۸۔ ایضاً ص ۴۶۵، معارف اسلامیہ، حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۷
- ۹۔ احمد علی خاں شوق، رسالہ معارف، جلد ۲۹، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۳۲ء
- ۱۰۔ ڈاکٹر خالدہ حسینی، ایشیا تک سوسائٹی، کلکتہ کی خدمات فارسی، فخر الدین علی احمد میموریل، لکھنؤ، ۱۹۹۷ء، ص ۵۹
- ایلیٹ اینڈ ڈاؤن، جلد ۷، ص ۴۶-۱۳۵، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد ۴، لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۵۴۱
- ۱۱۔ معارف، جلد ۲۹، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۳۲ء
- ۱۲۔ بختاور خاں، حوالہ مذکورہ ص ۱
- ۱۳۔ معارف، جلد ۲۹، حوالہ مذکورہ
- ۱۴۔ مرآۃ العالم، جلد ۱، حوالہ مذکورہ، ص ۳۸۳
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۳۸۳
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۳۹۲-۳۹۵
- ۱۷۔ ایضاً، ص ۳۹۶-۳۹۹
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۴۰۲
- ۱۹۔ مرآۃ العالم، جلد ۲، ص ۴۷۰-۴۲۰

- ۲۰۔ ایضاً، ص ۴۲۱-۴۵۸
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۴۵۹-۴۹۳
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۴۹۴
- ۲۳۔ ایضاً، ص ۵۱۶-۵۱۹
- ۲۴۔ ایضاً، ص ۵۱۶
- ۲۵۔ ایضاً، ص ۶۹۲
- ۲۶۔ سر جادو ناتھ سرکار، مآثر عالمگیری (انگریزی) کلکتہ ۱۸۷۱ء، ص ۲۵۳
- ۲۷۔ مرآة العالم، جلد دوم، ص ۳۹۵-۳۹۴
- ۲۸۔ ایلینڈ اینڈ ڈاؤسن، جلد ۷، الہ آباد، ص ۱۵۰، قریشی، اشتیاق حسین، ایڈمنسٹریشن آف مغل امپائر، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۷۷
- ۲۹۔ ساجدہ س علوی، مرآة العالم، جلد ۱، (تعارف انگریزی)، ص ۱۵
- ۳۰۔ نور الحسن انصاری، حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۳
- ۳۱۔ ساقی مستعد خاں (مآثر عالمگیری) اردو ترجمہ، عثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۴ء، ص ۱۷۹
- ۳۲۔ فشی محمد کاظم، عالمگیر نامہ، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال، کلکتہ، ۱۸۶۸ء، ص ۴۰
- ۳۳۔ ایضاً، ص ۳۵-۳۶
- ۳۴۔ مرآة العالم، حوالہ مذکورہ، ص ۶
- ۳۵۔ عبارت کے مقابل کے لئے ملاحظہ ہو عالمگیر نامہ، حوالہ مذکورہ، ص ۱۰۲۳-۱۰۲۲ اور مرآة العالم حوالہ مذکورہ ص ۳۶۰
- ۳۶۔ مرآة العالم، ص ۲۹۱
- ۳۷۔ ایضاً، ص ۶۸
- ۳۸۔ ایضاً، ص ۳۵۰
- ۳۹۔ ایضاً، ص ۵۲
- ۴۰۔ ایضاً، ص ۲۹۵
- ۴۱۔ سر جادو ناتھ سرکار، مآثر عالمگیری، حوالہ مذکورہ، ص ۳۷-۴۰
- ۴۲۔ افتخار احمد غوری، شاہجہاں کے بیٹوں کے بیچ تخت نشینی کی جنگ ۱۶۵۷-۱۶۵۸ء، لاہور ۱۹۶۴ء، ص ۸۸-۱۶۳: اس طرح کی باتیں جو کہ مآخذ میں ملتی ہیں، اس سے کچھ اسکالروں نے تخت نشینی کی جنگ کو دو نظریات کے بیچ جنگ بتایا ہے اور دارا کو جدید اور آزاد خیال اور اورنگزیب کو قدامت پرست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔
- عزیز احمد، اسلامی کلچر برصغیر پاک و ہند میں، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۱۹۱-۲۰۰
- ۴۳۔ ساجدہ س علوی، مرآة العالم، (تعارف انگریزی) ص ۴۱
- ۴۴۔ مرآة العالم حوالہ مذکورہ، جلد ۱، ص ۱۵۱-۱۵۲
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۱۳۲

- ۴۶۔ ایضاً، ص ۱۶۷
- ۴۷۔ ایضاً، ص ۲۸۵
- ۴۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے درج ذیل جدید مورخین کی کتابیں اور ان کے تحقیقی مضامین۔  
 پروفیسر اطہر علی، پروفیسر ستیش چندر، پروفیسر رادھے شyam، اوم پرکاش پرساد اور پروفیسر عزیز الدین حسین وغیرہ
- ۴۹۔ اوم پرکاش پرساد، اورنگزیب ایک نیا زاویہ نظر، پٹنہ، ص ۱۶۸
- ۵۰۔ مرآة العالم، جلد ۲، ص ۴۰۶
- ۵۱۔ ایضاً، ص ۴۰۹
- ۵۲۔ اطہر عباس رضوی، ۱۶ویں، ۱۷ویں صدی میں شمالی ہندوستان میں مسلم اہیائی تحریکیں، انگریزی، آگرہ ۱۹۵۶ء ص ۳۶۹-۳۷۰
- ۵۳۔ مرآة العالم، جلد دوم، ص ۴۱۸
- ۵۴۔ ایضاً، ص ۴۵۳، سرکار، مآثر عالمگیری (انگریزی) ص ۳۲۳
- ۵۵۔ مرآة العالم، ۲، حوالہ مذکورہ، ص ۴۵۶
- ۵۶۔ ایضاً، ص ۴۵۵
- ۵۷۔ ایضاً، ص ۴۵۱
- ۵۸۔ ایضاً، ص ۴۴۵-۴۴۶
- ۵۹۔ ایضاً، ص ۴۴۵



# ارادت خاں: ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد اسحاق

شعبہ دراسات اسلامیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

تاریخ عالم میں عہد مغلیہ کا شمار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ مغل دربار کا جاہ و جلال اور تزک و احتشام دنیا کی تاریخ اور ادب کا حصہ بن چکے ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مغلیہ دربار دہلی کی عظمت پیرس کے دربار سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ یہاں کی تعمیراتی شاہکاری کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ویسے بھی تاریخ کا موضوع وسیع الاطراف ہے۔ تاریخ کا معروضی انداز فکر دنیا کے وسیع کینوس میں ہر تبدیلی اور واقعہ کا گہری نظر سے مطالعہ کو اہمیت دیتا ہے۔ تاریخ میں چھپی ہوئی قوتیں اور معمولی واقعات بھی بسا اوقات چپکے چپکے اپنے اثرات دکھاتے ہوئے اور اپنے کام کرتے ہوئے انسانی زندگی، قوم اور ملک میں رونما ہونے والی بڑی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ تاریخ خواہ کسی ملک کی ہو یا قوم کی ہو، وہ اجتماعی تاریخ بھی ہے اور افراد کی تاریخ بھی۔ اس لئے کہ قوم و ملک کے تمام حالات کا اثر بالآخر انسانی افراد اور گروہوں پر پڑتا ہے اور قوم و ملک کے مخصوص حالات سے انسان کے فکر و عمل متاثر ہوتے ہیں۔

مبارک اللہ واضح جو ارادت خاں (عالمگیری) سے معروف ہیں، کی تاریخ کا تاریخی تناظر میں جائزہ ہمارا موضوع ہے۔ اس کتاب کی تصحیح و تہذیب غلام رسول مہر نے ۱۹۶۸ء میں کی تھی جس کی اشاعت ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاه پنجاب لاہور نے ۱۹۷۱ء میں کی۔ غلام رسول مہر نے تفصیل کے ساتھ اپنے وقیع مقدمہ میں اس کتاب کے مختلف قلمی نسخوں کا احاطہ کیا ہے۔ کتاب کا تعارف کرایا اور حواشی و تعلیقات کا اضافہ بھی کیا ہے۔

ارادت خاں (عالمگیری) متخلص بہ واضح کا خاندان چار پشتوں سے مغلیہ حکومت کے امراء کی خدمت کرتا رہا۔ بلکہ شاہی خاندان سے رشتے کا شرف بھی اسے حاصل تھا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ میر محمد باقر ساوہ (ایران) نجبائے سادات میں سے تھے۔ ہندوستان آنے کے بعد وہ مرزا

قوام الدین جعفر بیگ قزوینی مخاطب بہ آصف خاں (م ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء) کی جانب سے سیال کوٹ اور گجرات کے فوجدار کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بعد میں جہانگیر کے عہد میں یمین الدولہ آصف خاں کی سفارش پر خان سامانی کے منصب پر تقرر ہوا۔ کشمیر کے صوبیدار اور میر بخشی کے عہدے پر بھی مامور رہے۔ پنج ہزاری کے منصب کے علاوہ آصف خاں کی کوشش سے دیوان اعلیٰ کی خدمت بھی سونپی گئی، پھر دکن کی نظامت ملی۔ جہانگیر نے ارادت خاں کا خطاب دیا تھا اس لئے ارادت خان جہانگیری کہتے ہیں۔ شاہجہاں نے آعظم خاں کا خطاب دیا تھا۔ اس خاندان کے لئے یہ دو خطابات مخصوص ہو گئے تھے۔ خاندان کے بعض افراد کو ملتفت خاں، ہوشیار خاں، خان زماں، مفتخر خاں جیسے خطابات بھی ملے۔

ارادت خاں جہانگیری کی دکن میں شاندار کامیابی کے بعد اسے بنگال، الہ آباد، گجرات اور کشمیر کی صوبہ داری مختلف اوقات میں ملتی رہی۔ آخر میں جو پور سپرد ہوا، جہاں ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) میں وفات پائی (یہ تفصیلات نواب مصصام الدولہ شاہنواز خاں کی مآثر الامراء جلد اول کلکتہ ۱۸۹۰ء صفحات ۱۷۴-۱۸۰ میں درج ہیں)۔ ارادت خان جہانگیری کی بیٹی کا نکاح شہزادہ محمد شجاع سے ۱۰۳۹ھ (۱۶۳۹ء) میں ہوا تھا۔ ارادت خان جہانگیری کے کئی بیٹے تھے ایک بیٹے کو اورنگزیب نے آعظم خاں، دوسرے کو خان زماں اور تیسرے کو کفایت خاں کے خطابات دیئے تھے۔ مؤخر الذکر ارادت خان شاہجہانی سے مشہور ہوئے۔

ارادت خان شاہجہانی کا نام میر اسحاق تھا جن کے بیٹے مبارک اللہ متخلص واضح ارادت خان عالمگیری کہلاتے ہیں۔ جن کی یہ کتاب ہمارے زیر بحث ہے۔

ارادت خان عالمگیری نے یہ کتاب ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۳ء) میں لکھی تھی۔ اس وقت اس کی عمر سڑھ سال تھی۔ اس حساب سے اس کی ولادت ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) میں ہوئی۔ انہتر سال کی عمر میں ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۶ء) میں فرخ سیر کے زمانے میں انتقال ہوا۔

مصنف نے اس کتاب میں جگہ جگہ مقصد تالیف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ

”میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس لمبے عرصے میں جو کچھ مجھ پر پیش آیا اس کی روداد ہے۔ میرے پیش نظر بادشاہ نامہ اور سلاطین و امراء کے احوال نہیں ہیں۔ یہ روزنامچہ ہے۔ سیاسی تاریخ نہیں

ہے۔ البتہ اپنے حالات کے تذکرہ میں جن بادشاہوں سے میرا واسطہ رہا ہے بے ساختہ ان کے بارے میں بھی میں کچھ لکھ گیا۔ مجھے یقین ہے باریک میں اور نکتہ شناس حضرات ان منتشر معلومات میں حقائق ڈھونڈ لیں گے اس لئے کہ یہ مکرر سلاطین کی مصلحت کا شریک رہا ہے اور یہ فقیر ہر جگہ اور ہر وقت بادشاہوں کا مشیر اور معتبر رہا ہے۔“ (صفحہ ۱۳۷)

اس کتاب کا موضوع تین خانہ جنگیوں کی روداد ہے جو فروری ۱۷۷۷ء سے جنوری ۱۷۷۸ء تک چھ سال کی مدت میں بار بار پیش آئیں۔ پہلی خانہ جنگی کے نتیجہ میں شاہ عالم بہادر تخت و تاج کا مالک بنا، پانچ سال بعد دوسری خانہ جنگی کے بعد معزالدین جہاندار شاہ آٹھ نومبر کے لئے تخت پر بیٹھا اور تیسری بار یہ پھر آپس میں لڑے اور عبداللہ خاں بارہہ اور حسین علی خاں بارہہ کی مداخلت سے فرخ سیر شہنشاہ بنا۔

یہ کتاب ۳۸ ابواب پر مشتمل ہے ۳۷ ویں باب میں فرخ سیر کی کامیابی اور آخری باب میں ذوالفقار خاں کے قتل کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب کے بعد کے آخری دو سال مصنف نے کوئی روداد نہیں لکھی۔

اس کتاب کے دیباچہ میں بھی مصنف نے لکھا ہے کہ اب میری عمر ۱۱۲۶ھ میں ۶۷ برس کی ہے۔

الیوم بہ شصت و ہفت رسیدہ و سترہ یکہزار و یکصد و پست و شش ہجری مقدمہ است (ص ۲)

نیز اس کتاب کے آخری باب ۳۸ کے خاتمہ پر لکھا ہے کہ

”ابتدای تحریر کلمات عالیات چوں در ادونی در سنہ (سنہ لکھی نہیں لیکن عالمگیر کی زندگی کا آخری دور تھا) بود ازاں باز حتی الیوم کہ ۱۱۲۶ یکہزار و یکصد و پست و شش ہجری است تحریر کلمات با تمام رسید۔“ (ص ۱۶۴)

ارادت خاں نے جیسا کہ خود ہی وضاحت کر دی ہے، اس عہد کی باضابطہ تاریخ نہیں لکھی بلکہ یہ اس کا اپنا تذکرہ ہے۔ آپ بیتی کی اور تذکرہ کی تاریخی اعتبار سے بے حد اہمیت ہے۔ ایسی تحریریں اپنے زمانہ کا اصل آئینہ ہوتی ہیں۔ ان میں شخصیتیں صاف دکھائی دیتی ہیں۔ حالات پر بے لاگ اور بے رحم تبصرہ ہوتا ہے۔ مصنف چونکہ امراء اور بادشاہوں کے بیچ رہا، امن و جنگ سے اس کا براہ راست تعلق تھا

اس لئے اس کی تحریر میں خاک و خون، بربادی اور سیاسی تباہی جو اس زمانہ کی خصوصیت تھی، نظر آتی ہے۔ اس تذکرہ میں تاریخی تحریر کے سارے عناصر بھی نظر آتے ہیں۔ تاریخ حقائق کا تو یہ مرقع ہے ہی جس تاریخی ترتیب (Chronological Order) سے تاریخی اہمیت کے حامل وہ واقعات نقل کئے گئے ہیں جو مصنف کی نظر میں بے حد اہم تھے اور جن کا مشاہدہ اس نے پچشم خود کیا تھا اور ان میں وہ خود بھی شریک تھا۔ لکھنے والا سیاسی اور تاریخی شعور بھی رکھتا ہے جس کا جا بجا مختلف انداز سے اس کتاب میں اظہار ہے۔ وہ جان بوجھ کر کسی فرد کی کردار کشی، بت شکنی یا بت تراشی بھی نہیں کرتا۔ تاریخی عوامل و اسباب کو بھی وہ اپنے مخصوص انداز میں اہمیت دیئے بغیر نہیں رہتا۔

Sir H.M. Elliot اور پروفیسر جان ڈاؤسن اس کتاب کا تذکرہ ان لفظوں میں

کرتے ہیں:

"The author's account of his work is fair and accurate. The book is written in a plain straightforward style, and it never wanders beyond the sphere of the author's own observation; but it is full of spirit, and has all the vigour and vividness of a personal narrative..."

(H.M.Elliot & John Dowson, The History of India as Told by Its Own Historian's, Vol.VII, Allahabad, 1964, p.535)

مصنف اس کتاب کے ۳۷ ویں باب میں جہاندار شاہ اور فرخ سیر کی لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ہر ایک شخص جاننا ہے کہ جب جنگ شروع ہوتی ہے تو ایک آدمی کے لئے ناممکن ہے کہ وہ میدان جنگ میں دونوں فریقوں کے سارے حالات کا مشاہدہ کرے وہ صرف ایسے مقام کا حال جان سکتا ہے جو اس کے پیش نظر ہو۔ چنانچہ میں کس طرح سے یہ کہہ سکتا ہوں میں نے دونوں طرف کی صف بندی کو دیکھا ہے جو کوسوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک شخص نے اورنگزیب عالمگیر کے سامنے داراشکوہ سے جنگ کا نقشہ فوج کی نقل و حرکت کی تفصیلات کے ساتھ کھینچا۔ عالمگیر نے سب کچھ سننے کے بعد فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو جنگ کے وقت کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہوا تھا کہ جنگ کے تمام حالات دیکھے۔

میں خود ہاتھی پر سوار تھا اور فوج کا سربراہ تھا۔ مگر میں تو ان حالات کو جو تم نے بیان کئے نہیں دیکھ سکا۔“

ارادت خاں نے اس کتاب میں شاہی خاندان سے اپنے قریبی روابط کا ذکر کیا ہے۔ اور نگزیب عالمگیر سے اپنے تعلق کا اظہار ان لفظوں میں کرتا ہے:

بادشاہ جب اپنی خوابگاہ میں تھا تو اس نے مجھے بلایا اور یہ الفاظ فرمائے کہ اب تم اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں۔ دوبارہ ملاقات کا علم نہیں۔ اس لئے دانستہ یا نادانستہ جو تمہارے خلاف مجھ سے کوئی زیادتی سرزد ہوئی ہو اس کو معاف کر دو اور معاف کرنے کا لفظ تین بار صدق دل سے اپنی زبان سے کہو اور ہم بھی۔ ہماری خدمت تم نے بہت کی ہے اور تم سے اس سلسلہ میں دانستہ یا نادانستہ جو بھی کوتاہی ہوئی سب کو معاف کیا۔ ان لفظوں کو سن کر مجھ پر گریہ طاری ہو گیا، زبان بند ہو گئی۔ جب حضرت (عالمگیر) نے بار بار معاف کرنے کا لفظ دہرایا تو بحالت گریہ میں نے معاف کیا، تین بار کہا۔ انہوں نے خود بھی آبدیدہ ہو کر، دعائیں دیں اور رخصت کیا۔ (ص ۸)

یہ واقعہ غالباً دسمبر ۱۷۰۷ء یا اوائل جنوری ۱۷۰۸ء کا بمقام بہادر گڑھ کا ہے۔ اسلام خاں رومی کے بیٹے نوازش خاں کے انتظامات سے عالمگیر مطمئن نہ تھا اور اس کی جگہ ارادت خاں کو خدمات تفویض کی تھیں۔

عالمگیر کی زندگی کا ورق الٹتے ہی ہمالیہ سے اس کماری تک پھیلی ہوئی حکومت کو قائم رکھنے کی اہلیت مغل شہزادوں میں نہ تھی، حکومت بدلی، حالات بدلے اور تاریخ بھی بدل گئی۔ تخت طاؤس کی رونق اور دربار کا جاہ و جلال خاک و خون اور شام غریباں کی داستان بن گئے۔ دیوان خاص اور دیوان عام کو مایوسی، ذلت اور نامرادی کے کالے سایوں نے گھیر لیا۔ ان احساسات کا ذکر ارادت خاں نے اپنی اس کتاب کے دیباچہ میں کیا ہے وہ لکھتا ہے:

”اس تھوڑے عرصے میں دنیا کے معاملات میں، یہ انقلابات، سلطنتوں کی بربادی شہزادوں کا مرنا، پرانے شریف اور امیر خاندانوں کا مٹنا، باعزت لوگوں کی ذلت اور ذیلیوں کی ترقی تو میں نے ایسے دیکھے ہیں کہ ارباب سیر و تاریخ نے ہزار برس کے اور بھی اس قسم کے متواتر نئے واقعات و حادثات نہیں بیان کئے ہیں۔“

ارادت خاں کو عالمگیر کے پوتے اور آعظم شاہ کے بیٹے محمد بیدار بخت سے خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ اس گہرے تعلق کا اظہار اس کی تحریر سے بھی ہوتا ہے۔ جب عالمگیر کی وفات کے بعد پہلی خانہ جنگی کی افراتفری درپیش تھی۔ شہزادہ بیدار بخت کا مشیر خاص ارادت خاں تھا۔ باپ بیٹے کے اختلاف کے دوران بھی شہزادہ معتمد علیہ مصنف تھا۔ وہ لکھتا ہے آدمی رات تھی، خیمہ میں گھر والے موجود تھے، گھر والوں کو متصل حجرہ میں بھیج کر شہزادہ نے ارادت خاں سے بات چیت شروع کی۔ شاہی فرمان شہزادے نے مصنف کو دیا۔ مصنف نے اسے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔

رات دن ارادت خاں سے مشورہ کرتے رہتے ہو اس میں کیا حکمت ہے؟

بیدار بخت نے کہا کہ اس کا مناسب جواب کیا ہونا چاہئے؟ ارادت خاں نے کہا کہ ”میں تو آپ کا فدوی ہوں ہی مجھے اپنی ملازمت سے الگ کر دیجئے۔ ضرورت کے وقت میں خود ہی حاضر ہو جاؤں گا۔“ لیکن بیدار بخت بول اٹھا کہ ”ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کا تحریری جواب چاہئے۔“

ارادت خاں نے مجبوراً سر جھکا لیا کہا ہر چہ بخاطر عالی برسد، بیدار بخت نے کہا کہ ”ایسا ہے کہ میں بھی جواب لکھتا ہوں اور تم بھی جواب لکھو۔ چنانچہ اس نے اپنے قلمدان سے دوات و قلم اور کاغذ کا ٹکڑا مجھ کو دیا۔ چراغ دور تھا۔ اس نے کہا کہ چراغ کے سامنے بیٹھ جاؤ اور لکھو اور وہ خود بھی قلم ہاتھ میں لے کر لکھنے لگا۔ میں نے لکھا اور اس نے بھی لکھا۔ اتفاق سے دونوں کا مفہوم یکساں تھا، بلکہ الفاظ میں بھی فرق نہ تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جب مالوہ سے نکل الہی نے کوچ فرمایا تو فرمایا تھا کہ ارادت خاں خانہ زاد موروٹی، تجربہ کار اور صائب صاحب الراہی ہے، اور آپ کا مخلص ہے۔ اسے میں نے تم کو بخش دیا۔ جب بھی کوئی اہم کام درپیش ہو اس سے مشورہ کر لینا درحقیقت (آج کل) جو کام درپیش ہے اس سے اہم کون ہوگا؟ اسی لئے آپ کے ارشاد کے مطابق ہر چھوٹے بڑے کام میں مشورہ لیتا ہوں۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ حضور کو اس غلام صادق کے سلسلہ میں کیا تردد اور کیا مصلحت (بدگمانی) نظر آتی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو اس کو بھی ضرور عرض کر دیتا۔“

اس جواب پر بیدار بخت نے ارادت خاں کی بے حد تعریف کی اور کہا تمہارے اور میرے ذہن میں اتنی ہم آہنگی ہے کہ ایک ہی جیسا جواب تیار کیا پھر بھی تم کو اپنے ساتھ نہ رکھوں تو کیا کروں؟ (صفحات ۳۳-۳۵)

ارادت خاں نے مندرجہ بالا تحریر میں بیدار بخت سے اپنے کس قدر گہرے تعلقاتِ خاطر کا ذکر کیا ہے۔ بیدار بخت کی عمر اس وقت تقریباً ۳۷ برس تھی اور ارادت خاں تقریباً ۵۹ برس کا تھا۔ اس کے باوجود آدابِ شاہی کا اتنے گہرے تعلق کے باوجود یہ حال تھا کہ ۵۹ سالہ ارادت خاں کی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ یہ ہیں کہ

”من فدوی شایم۔ مرا از بندگی بالفعل جدا کنید۔ وقت کار خود را می رسانم“ ارادت خاں اسی باب میں آگے لکھتا ہے کہ ”اس معاملہ میں حقِ آعظم شاہ اور اس کے حامیوں کے ساتھ تھا اور بیدار بخت نے خود ہی باپ کی مخالفت مول لی تھی۔ لیکن میں آعظم شاہ کا نمک خوار تھا بلکہ بیدار بخت کا تھا۔ لیکن سچائی اس کی طرف نہ تھی۔ ایک شب میں وہ تنہا کھڑے تھے۔ وہ میرے قریب آیا اور اپنے دونوں ہاتھ میری گردن میں ڈالے اور سرگوشی میں بولا! کیا یہ مسئلہ تمہیں معلوم ہے کہ اگر باپ بادشاہ سے بیٹے کو ڈر ہو تو کہ وہ اسے قتل کر دے گا اور اسے اس بات پر یقین ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ معاملہ دریافت طلب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں تمہارے جد ماجد نے کیا کیا تھا؟ دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے باپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ سلاطین کے سامنے اپنا ایک مسلک ہوتا ہے۔ (صفحات ۳۵-۳۶)

جائز کے مقام پر ۱۸ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ (۸ جون ۱۷۰۷ء) کو ارادت خاں کا مدوح شہزادہ اور عالمگیر کا ”فرزند زادہ بہادر من“ مارا گیا۔ ارادت خاں کو اس کا بہت صدمہ تھا اس نے لکھا کہ اس وقت مجھ پر گریہ تھا اور یہ شعر بے ساختہ میری زبان پر آ گیا کہ

رجہان یارب نبودی آرزوی تاج و تخت      تا بخاک و خون نہ غلطیدی سر بیدار بخت

سیاسی امراء اپنی وفاداریاں نئی حکومت میں تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ ارادت خاں بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اس نے بھی شاہ عالم بہادر کے خصائل اور اس کے دربار کا حال بہت خوبصورتی کے ساتھ اس کتاب کے ۲۰ ویں باب میں لکھا ہے:

”شاہ عالم رحم دل، عالی دماغ، خوش اخلاق و جوہر شناس تھا۔ وہ اپنے باپ دادا کی سلطنتوں کو دیکھ چکا تھا کہ سیاست و قدرت شاہانہ کس طرح صحیح طور پر استعمال میں لانی چاہیے۔ آخر پچاس سال سے وہ خود بھی حکومت کرتا تھا۔ جب وہ بادشاہ ہوا تو زمانہ نے ایک نئی رونق پائی۔ سب درجہ کے

آدمی علی قدر حال اس کی مہربانی سے مستفید ہوئے اس کی فیاضی اور دریادلی نے خلقت کے دل سے اور نگزیب کی ساری خوبیوں کو محو کر دیا۔ بعض جنگ دل بخیل، حسد اور احسان فراموشی کے سبب سے اس کی سخاوت و دریادلی کو کہتے ہیں کہ وہ بے جا اسراف اور دولت کو رائگاں کرتا تھا۔ لیکن حقیقت میں ہر فرقہ اور سب درجہ کی لیاقت کے آدمیوں اور وضع و شریف و عالم و سخنور نے بادشاہ کے تخت سے ایسا فیض پایا کہ اس عہد سے پہلے زمانہ کی آنکھ نے نہ دیکھا تھا اور نہ کان سے سنا تھا۔ جو کمالات و صفات اس کی ذات میں تھے وہ بیان نہیں ہو سکتے۔ بہادر ایسا تھا کہ جنگ میں آعظم شاہ سے جس کی شجاعت کی دھاک تھی، تنہا لڑنے کو مستعد تھا۔ اس کے چاروں بیٹے بڑے صاحب قدرت تھے اور بہت فوج اپنے پاس رکھتے تھے۔ وہ ان کو اپنے پاس رکھتا تھا، ایک لمحہ ان پر بدظن نہ ہوا۔ اور ان کو وزراء آعظم کے اختلاط اور تعلقات پیدا کرنے سے منع نہیں کیا....“

جب شاہ عالم کا انتقال ہو گیا اور جہاندار تاج و تخت کا مالک بن گیا تو ارادت خاں کے لئے حالات نہایت ناسازگار تھے۔ اسے اپنی جان کا بھی خطرہ تھا۔ اس نے جس انداز سے ذوالفقار خاں سے ملاقات کر کے جان بخشی کا پروانہ حاصل کر لیا اس کا تذکرہ نہایت عبرت ناک ہے۔ جاں بخشی تو کر دی گئی لیکن ملازمت سے اسے محروم کر دیا گیا۔ ملازمت کا یہ خواہاں بھی نہ تھا۔ اس وقت جان کی سلامتی ہی اس کے لئے بڑی نعمت تھی۔ یہ تمام تفصیلات ایک علیحدہ باب میں ”احوال مصنف“ کے عنوان سے درج ہیں۔ یہ پوری داستان نہایت ہی دلچسپ ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ عالم کی تخت نشینی کے پانچ سال بعد دوسری آپسی جنگ نے سلطنت کی بنیادیں کس طرح ہلادی تھیں اور جہاندار شاہ جیسے ناکارہ، نااہل سنگدل اور تعیش کے دلدادہ کو ملک کے سیاہ اور سفید کا مالک بنا دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔

کتاب کے تیسویں باب میں معزالدین جہاندار شاہ کے اوضاع و اطوار لال کنور اور اس کے اعزاء و احباب کا سلطنت میں عمل دخل، بادشاہ سے لال کنور کا عشق، نیز ذوالفقار خاں اور کوکلتاش خاں کے ظلم و ستم اور ان کے چند روزہ ناپائیدار حکومت اور اقبال مستعار کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔

پھر اس کتاب میں کئی اہم واقعات تختہ اظہار رہ گئے ہیں۔ مثلاً رفیع الشان اور جہاندار شاہ

کی جنگ تخت نشینی اور جہاندار شاہ کی تخت نشینی کے بعد کے حالات کے ذیل میں صرف چند واقعات کی طرف محض سرسری اشارہ کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں اس موضوع پر جتنا کچھ اس نے لکھ دیا ہے وہی بہت ہے۔ ممکن ہے کہ اس نے ایسا دانستہ کیا ہو۔ یہ زمانہ اس کی زندگی کا تاریک اور ناخوشگوار زمانہ تھا۔ اس نے اپنی جان بخشی کے لئے اپنے ضمیر کے خلاف ذوالفقار کی خدمت میں جو کچھ عرض کیا تھا۔ وہ کم نہ تھا۔

یہ کتاب ارادت خاں نے فرخ سیر کے زمانے میں ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۳ء) میں لکھی تھی۔ اس کا شمار ان امراء میں ہوتا ہے جس نے اقتدار کو انتہائی پستی اور نچلی سطح پر اترتے دیکھا۔ بادشاہوں اور شہنشاہوں سے نہایت قریب رہا۔ پھر جہاندار شاہ کے عہد میں جاں بخشی کے لئے اس کے سامنے منت سماجت کا مرحلہ بھی پیش آیا۔ ان دونوں انتہاؤں کو اس نے دیکھا۔ ممکن ہے اس کتاب کے ذریعہ وہ اپنے اوراق زندگی کے پھولوں اور کانٹوں کو سمیٹنا چاہتا ہو۔ بجا طور پر اس نے اپنی اس کتاب میں اس بات کی کامیاب کوشش کی ہے کہ نہایت فراخ دلی سے واقعات کا تذکرہ کرے اور کسی بات پر پردہ نہ ڈالے۔ کیونکہ زندگی کی اس شام میں اسے اور کیا چاہئے تھا:

ہر تمنادل سے رخصت ہو گئی      اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

# ماثر عالمگیری: ایک تعارف

ڈاکٹر نور الاسلام صدیقی

شعبہ فارسی

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کو جو سیاسی، ثقافتی اور علمی مرکزیت حاصل رہی ہے، وہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کسی دور کو حاصل ہوئی۔ ابتدائے عہد سلطنت سے لود یوں تک کا زمانہ اور اورنگزیب کے بعد سے بہادر شاہ ظفر تک کا زمانہ کسی نہ کسی اعتبار سے عدم استحکام کا شکار رہا۔ مغلیہ سلطنت میں بھی اگر جھانک کر دیکھیں تو اکبر اعظم اور شہنشاہ اورنگزیب کی عظمتیں دل کو چھوتی دکھائی دیتی ہیں اور ان فرما رواؤں کے کارنامے زیادہ سے زیادہ یاد کئے جاتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ سلاطین مغلیہ میں اکبر اور اورنگزیب کے زمانوں میں جو سیاسی استحکام رہا، تاریخ ہند میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بے شمار تاریخی کتابیں اگر اکبر اعظم کے دور میں لکھی گئیں تو شہنشاہ اورنگزیب کے عہد میں اور اس کے کارناموں پر بھی کتابیں لکھی گئیں جو ان فرما رواؤں کی عظمتوں کا نقش دلوں پر ثبت کرتی ہیں۔ عہد اورنگزیب پر لکھی گئی تاریخی کتابوں میں چند ایک مثلاً تاریخ شاہ شجاعی، فتحیہ عبرتیہ، واقعات عالمگیری، عالمگیر نامہ، وقائع، فتوحات عالمگیری، نسخہ دکنشا اور مآثر عالمگیری کا نام لیا جاسکتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں ”ماثر عالمگیری“ پر گفتگو کی گئی ہے۔

”ماثر عالمگیری“ شہنشاہ اورنگزیب کے پچاس سالہ دور حکومت (۱۶۵۸ عیسوی - ۱۷۰۷ عیسوی) کی ایک جامع اور مستند تاریخ ہے۔ اس کا مصنف محمد ساقی مستعد خان، عہد اورنگزیب کا مشہور و معروف مصنف تھا۔ وہ چالیس سال تک وقائع نگاری کی خدمت پر مامور رہا۔ اورنگزیب کے انتقال (۱۷۰۷ء) کے بعد نواب عنایت اللہ خان کی ایما پر اس نے اس کتاب کے لکھنے کی ابتداء کی اور تین برس کی مدت میں (۱۷۱۰ عیسوی) مکمل کر کے اس کا نام ”ماثر عالمگیری“ رکھا۔ یہ اس کا تاریخی نام ہے۔ مستعد خاں لکھتا ہے:

”چوں ایں ظفر نامہ اقبال ختامہ حاوی فتوحات پادشاہ عالمگیر است، تسمیہ اش مآثر عالمگیری کہ ہم نام است و ہم تاریخ اتمام، مناسب دانست“

[ترجمہ: چونکہ اس کتاب میں بادشاہ اورنگزیب کے تمام حالات اور فتوحات کو شامل کیا ہے، اس لئے میں نے اس کتاب کا نام ”مآثر عالمگیری“ رکھا ہے جو اس کا تاریخی نام بھی ہے۔]

محمد ساقی مستعد خاں ۱۰۶۱ ہجری ۱۶۵۰ عیسوی میں پیدا ہوا۔ وہ اورنگزیب کے مشہور خواجہ سرا بختا در خاں کی سرکار میں مثنیٰ تھا اور اس کے پرسنل کا غذات بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا تھا۔ اس کی وفات (۱۰۹۶ ہجری ۱۶۸۳ عیسوی) کے بعد وہ (محمد ساقی مستعد خاں) شاہی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ اورنگزیب کی وفات (۱۷۰۷ عیسوی) کے بعد بھی وہ اپنے عہدے پر بحال رہا۔ شاہ عالم بہادر شاہ اول کے زمانہ حکومت (۱۷۰۷ ہجری ۱۷۱۲ عیسوی) میں وہ عنایت اللہ خاں وزیر بہادر شاہ اول کا کاتب بن گیا۔ اسی زمانے میں بہادر شاہ اول نے اسے ”مستعد خاں“ کے خطاب سے نوازا۔ چالیس سال شاہی ملازمت کے بعد ۷۵ سال کی عمر پا کر وہ ۱۷۲۳ عیسوی میں دہلی میں فوت ہوا۔

”مآثر عالمگیری“ میں شروع کے دس سال کی تاریخ میرزا محمد کاظم کی تاریخ ”عالمگیر نامہ“ کا خلاصہ ہے۔ عالمگیر نامہ، عہد اورنگزیب کے ابتدائی دس سال کی تاریخ ہے جس میں تاریخی واقعات کا سلسلہ اورنگزیب کے اورنگ آباد سے کوچ کرنے کے زمانے (۱۰۶۸ ہجری ۱۶۵۸ عیسوی) سے شروع ہو کر ۱۰۷۸ ہجری ۱۶۶۷ عیسوی پر ختم ہوتا ہے۔ اسے ایک اتفاق ہی کہا جائے گا کہ جب تاریخ لکھے جانے کا سلسلہ ۱۶۶۷ء تک پہنچا تو اورنگزیب نے اس کی تدوین کے بند کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے قول کے مطابق ”فتوحات کی نمائش کے مقابلے میں روح کا تزکیہ زیادہ ضروری تھا“۔ اس سلسلے میں ”مآثر عالمگیری“ کی عبارت ہے:

”چوں خدیو عالم صورت و معنی واقف اسرار بلندی و پستی را، تاسیس بنای باطن، مقدم بر اظہار آثار ظاہر بود، راقم از تسوید ممنوع شد“ عالمگیر نامہ، ایک سرکاری تاریخ تھی اور اس کی تدوین کے سلسلے میں شاہی فرمان تھا کہ تمام سرکاری کاغذات میرزا محمد کاظم کو مہیا کئے جائیں جن سے سلطنت کے اہم معاملات پر روشنی پڑتی ہے۔ بادشاہ کے نام کی مناسبت سے اس کا نام ”عالمگیر نامہ“ رکھا گیا لیکن جیسا کہ

سطور بالا میں لکھا گیا ہے کہ بادشاہ نے اپنی فتوحات اور عمدہ کارکردگی کی نمائش کو بہتر نہ سمجھا اور دس سال ہوتے ہوتے اس کی تالیف پر حکم امتناعی کا فرمان نافذ فرمایا، لہذا ”ماثر عالمگیری“ میں شروع کے دس سال کے تاریخی واقعات ”عالمگیر نامہ“ کا خلاصہ ہیں اور بقیہ چالیس سال کے تاریخی واقعات محمد ساقی مستعد خاں کی تاریخ، تحقیق و جستجو اور خامہ فرسائی کے نتائج ہیں۔ مستعد خاں خود اس بات کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

”شیرازہ بند پریشان اور اق اخبار، محمد ساقی مآثر عالمگیری نگار، با خود مظارحہ نمود کہ چہل سالہ وقائع را در سلک تحریر آورده اگر بامتناب مجمل ده سالہ رقم زودہ ناظم عقد لفظ و معنی نفیس، میرزا محمد کاظم عالمگیر نامہ نویس، پرداز می و مفتی مصنف خود سازی هم عنوان آن صحیفہ گردود، و هم بر مستطلعان اخبار پنجاہ سالہ طریق تسہیل نمودار شود۔“

[ترجمہ: محمد ساقی مصنف ”ماثر عالمگیری“ عرض کرتا ہے کہ جس طرح میں نے بادشاہ (اورنگزیب) کے چالیس سالہ احوال کو تاریخ کی صورت میں جمع کیا ہے، اسی طرح اگر میں دس سالہ سوانح عہدی عالمگیری مرتبہ میرزا محمد کاظم صاحب عالمگیر نامہ کا ایک اجمالی خلاصہ بھی کر دوں تو یہ میری تصنیف کا مقدمہ بن کر اسے مکمل کر دے گا اور بادشاہ کے پچاس سالہ واقعات حاصل کرنے والوں کے لئے آسانی پیدا کر دے گا۔]

”ماثر عالمگیری“ سترہویں صدی کے نصف آخر اور اٹھارہویں صدی کے اوائل کی ایک اہم تصنیف ہے اور چشم دید حالات و واقعات کا خلاصہ اور ایک عمدہ مرقعہ ہے۔ مصنف کتاب زندگی بھر بادشاہ اورنگزیب کے ساتھ شاہی محل سے لے کر میدان جنگ تک رہا اور ہر ہر واقعہ کا اس نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا۔ اس نے شاہجہاں کے ایام اسیری، داراشکوہ کی حیلہ سازیاں، شجاع و مراد کی تخت و تاج کے لئے جنگیں، شیواجی مرہٹہ کے حالات، فتح گو لکنڈہ اور دکن کی فتوحات وغیرہ ان کے سارے تاریخی واقعات و حقائق کا نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ تجزیہ کیا اور انہیں قلمبند کیا ہے۔ اس نے بیشتر واقعات اپنی معلومات کی بنیاد پر لکھے ہیں کیونکہ وہ خود اس کا عینی شاہد تھا۔ لیکن جہاں اسے کسی مآخذ کی ضرورت پیش آئی ہے وہاں صرف معتبر اور مستند مآخذ پر اعتماد کیا ہے۔

مستعد خاں نے عہد عالمگیری کی یہ تاریخ لکھ کر ایک اہم مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے کر دیا ہے اور وہ ہے اورنگزیب کا ہندوؤں کے ساتھ سلوک اور نیک برتاؤ جس کی جھلک ہمیں ساری کتاب میں

ملتی ہے۔ اور نگزیب اگرچہ زندگی بھر مذہب اسلام پر عمل کرتا رہا اور زندگی کے کسی بھی لمحہ میں بھی مذہب کو فراموش نہیں کیا لیکن ہندوؤں کے ساتھ اس نے نیک سلوک کئے، انہیں زیادہ سے زیادہ جاگیریں دیں اور انہیں اہم عہدوں پر رکھا، یہ جاگیریں نسل در نسل ماضی قریب تک ہندوؤں کے قبضہ میں رہیں۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے دیگر اہم واقعات کی تفصیل ”ماثر عالمگیری“ میں موجود ہے۔ راجاؤں اور ہندوؤں پر اس کے انعام و اکرام کی مثال کے لئے یہاں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ ”چوں راجہ جسونت سنگھ منگامی کہ دردار الملک کابل درگذشت۔ پسر می نداشت۔ بعد فوت اونو کران معتمد مشاۃ الیہ سوک و رگھناتھ داس بھاتی و رنجبور و درگ داس وغیرہم بدرگاہ خلایق پناہ عرضداشت نمودند کہ و زو جہ راجہ آبستن اند و پس از رسیدن متعلقانش بدار السلطنت لاهور از ہر دو زو جہ پسر تولد یافتند، و نوکران مسطور حقیقت ولادت ہر دو پسر معروض داشت التماس اعطای منصب و راج کردند۔ حکم اقدس اعلیٰ صادر شد کہ ہر دو پسر را بدرگاہ سپہر بارگاہ بیارند، و ہر گاہ پسران بسن تمیز خواہند رسید، بعنایت منصب و راج نوازش خواہند یافت۔“

[ترجمہ: راجہ جسونت سنگھ نے جس وقت کابل میں وفات پائی، اس کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ راجہ کی وفات کے بعد اس کے معتمد ملازمین یعنی سوک، رگھوناتھ بھاتی، رنجبور اور درگ داس وغیرہ نے بادشاہ کے حضور عرضداشت پیش کی کہ راجہ کی دو بیویاں حمل سے ہیں، راجہ کے متعلقین لاهور پہنچے اور دونوں رانیوں کے بطن سے فرزند پیدا ہوئے۔ راجہ کے ملازمین نے اصل واقعہ عرض کرنے کے بعد یہ التماس کیا کہ ان کو منصب اور راج عطا کیا جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دونوں فرزند آستانہ شاہی پر حاضر کئے جائیں۔ جب یہ بچے سن تمیز کو پہنچیں گے تو ان کو منصب و راج مرحمت فرمایا جائے گا۔]

۲۔ ”کنور کشن سنگھ ولد راجہ رام سنگھ درخانہ جنگی زخمی شدہ بود، دواز دہم ربیع الآخر بمقرر اصلی رفت۔ پانزدہم بشن سنگھ پسرش بمنصب ہزاری چہار صد سوار جامی پد ر گرفت۔“

[ترجمہ: کنور کشن سنگھ ولد راجہ رام سنگھ خانہ جنگی میں زخمی ہو گیا تھا۔ وہ بارہ ربیع الآخر کو فوت ہو گیا۔ بارہ تاریخ کو اس کا بیٹا بشن سنگھ اپنے باپ کے منصب ہزاری و چہار صد سوار پر فائز ہوا۔]

۳۔ ”حکم خدیو غریب پرور عاجز نواز صادر شد کہ مادر سنبھان سیوا و دیگر متعلقان آن

.....رادر کمال بار خیمہا قابل گنجائش آنھا مرتب نمود با عزاز و احترام فرود آرند، و متصل مثل جمدة الملك مثل بازار رانی مقرر شد کہ خدم و تبج اودران مکان فرودی آمدہ باشند، و ہر کدام بسالانہ درخور معزز گردیدند، ساھونہ سالہ کلان پسر سنجہا بسر فرازی منصب ہفت ہزاری ہفت سوار و خطاب راجگی و خلعت و جہد ہر مرصع و اربسی و اسپ و فیل و نقارہ و علم لوائی عزت در زمرہ راجہائی عمدہ برافروخت۔

مدن سنگھ و ادھو سنگھ برادران خورداد بمصنف و عواطف درخور مطرہ نوازش شدہ حکم شد نزد مادر وجہہ خود باشند و برای سرکار ہر کدام متصدیان پادشاہی معین گردیدند کہ بسر انجام امور خانہ آنها پردازند۔

[ترجمہ: بادشاہ غریب پرورد و عاجز نواز نے حکم صادر فرمایا کہ سنجہا کی ماں یعنی شیواجی کی بیوی اور اس کے دوسرے متعلقین کے لئے کمال میں ضرورت کے لحاظ سے خیمے لگا کر ان امیروں کو عزت و احترام کے ساتھ اتارا جائے۔ جمدة الملك کے ذریعے کے قریب رانی کے بازار کا ذریعہ بھی نصب کیا گیا تاکہ اس مکان میں اس کے خدام اور تابعدار مقیم ہوں۔ اس نوازش کے بعد ہر ایک کے لئے حسب ضرورت سالانہ وظیفہ مقرر ہو گیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ساھو سنجہا کا ۹ سال کا فرزند اکبر ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب، خطاب راجگی، خلعت، جواہر مرصع، آرسی، اسپ، فیل، نقارہ اور علم حاصل کر کے معزز راجگان کے زمرہ میں داخل ہوا۔ مدن سنگھ اور ادھو سنگھ اس کے چھوٹے بھائی حسب لیاقت منصب و عطیات سے بہرہ مند ہوئے اور ان کے لئے حکم ہوا کہ اپنی ماں اور دادی کے پاس رہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے علاقہ کے لئے شاہی عتال اور کارندے مقرر ہوئے تاکہ ان کے امور خانگی انجام دیتے رہیں۔]

۴۔ ”راگھو داس جھالا نوکر رانا بدرگاہ خلایق پناہ آمدہ بیاقتن منصب ہفت صدی پانصد سوار طالعیہ یوری کرد،“

[ترجمہ: رانا کالانام رگھو داس جھالا آستانہ شاہی پر حاضر ہو کر ہفت صدی پنج ہزار سوار کے عطیہ منصب سے سرفراز کیا گیا۔]

۵۔ ”سنجہا پسر شیوا بعطای منصب شش ہزاری و شش ہزار سوار ہشتادک دایم انعام و نقارہ و علم

[ترجمہ: شیواجی کے فرزند کو شش ہزاری اور شش ہزار سوار کا منصب دار مقرر فرما کر اسی لاکھ بطور انعام اور نقارہ اور علم سے نوازا گیا۔]

۶۔ ”اندر سنگھ ولد راؤ رای سنگھ نبیرہ امر سنگھ بمرزبانی جو دھپور از انتقال جسونت سنگھ عم خویش و خطاب راجگی و خلعت خاصہ و شمشیر با ساز مرصع واسپ با ساز طلا و فیل و علم و طوغ اور نقارہ در اشباہ خویش سر عزت بکیوان رسانید“<sup>۹</sup>

[ترجمہ: اندر سنگھ ولد راؤ رای سنگھ نبیرہ امر سنگھ کو اپنے چچا راجہ جسونت سنگھ کی وفات کے بعد خطاب راجگی و خلعت خاصہ و شمشیر با ساز مرصع واسپ با ساز طلا و فیل و علم و طوغ اور نقارہ کے عطیات سے سرفراز کیا گیا۔]

مذکورہ اقتباسات کے علاوہ بیسیوں جگہ ’ماثر عالمگیری‘ میں ہندوؤں کے ساتھ اورنگزیب کے نیک برتاؤ، انہیں مراعات دئے جانے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے واقعات ملتے ہیں۔ راجپوتوں پر اس کے فضل و انعام کے سلسلے میں صرف ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے۔ ’ماثر عالمگیری‘ کے الفاظ ہیں:

”در حضور لامع النور و صوبہ جات فرمان رفت کہ ہنود مطرود، سوای راجپوت، یراق نہ بندند و بر فیل و پاکی واسپ عراقی و عربی سوار نشوند“<sup>۱۰</sup>

[ترجمہ: دربار عالی و صوبہ جات میں شاہی فرمان جاری ہوا کہ راجپوت کے علاوہ کوئی اور نہ ہتھیار باندھے، نہ ہی ہاتھی، پاکی اور عراقی و عربی گھوڑوں پر سوار ہو۔]

مصنف ’ماثر عالمگیری‘ نے اورنگزیب کے بارے میں جو بھی واقعہ تحریر کیا ہے، نہایت دیانت داری سے تحریر کیا ہے۔ اورنگزیب کا نمک خوار ہوتے ہوئے بھی اس نے کسی واقعہ کو چھپایا گھٹایا بڑھایا نہیں ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

”سابق دستور بود کہ پادشاہان قشقہ بدست خود بر پیشانی راجہای عظام می کشیدند و در عہد

مبارک برناریہ راجہ رام سنگھ اسد خان بموجب حکم قشقہ کشیدہ بود ۱۱۰۰

[ترجمہ: قدیم زمانے میں یہ دستور تھا کہ فرمانروا اپنے ہاتھوں سے عالی مرتبت راجاؤں کی پیشانی پر قشقہ لگاتے تھے۔ اور نگزیب کے زمانے میں راجہ رام سنگھ کی پیشانی پر اسد خان نے بادشاہ کے حکم سے قشقہ لگایا۔]

متعصب مورخوں نے اور نگزیب کو بدنام کرنے کے لئے اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ ہندوؤں کا دشمن تھا جو دراصل حقیقت نہیں ہے بلکہ کذب بیانی پر موقوف ہے۔ مشہور فرانسیسی سیاح برنیئر نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کے متعلق غیر مصدقہ باتیں لکھی ہیں اور انہوں کو حقیقت بنا کر پیش کیا ہے۔ اگر تعصب کی عینک اتار کر 'ماثر عالمگیری' کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آئے گی کہ اور نگزیب دراصل ایک مرد مومن تھا، اور مرد مومن ہر قیمت پر غیر مذہب والوں کا تحفظ کرتا ہے اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا ہے۔ مذکورہ بالا حوالوں اور اقتباس کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ اور نگزیب کی عظمت کا نقش دل پر بیٹھتا ہے بلکہ اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ غیر مسلم رعایا اور ہندو راجاؤں کے ساتھ حسن سلوک اور مربیانہ شفقتوں میں 'ماثر عالمگیری' میں، اور نگزیب اور اس کے بھائیوں کے باہمی تعلقات کو بغیر کسی رنگ آمیزی کے بیان کیا گیا ہے جس سے تاریخی حقائق براہ راست ہم تک پہنچتے ہیں۔

ماثر عالمگیری میں واقعات کی ترتیب سال بسال ہے۔ کہیں کہیں صرف واقعات کی تالیف کر دی گئی ہے۔ سوائے تاریخی ترتیب کے کوئی اور ترتیب نہیں رکھی گئی ہے۔

'ماثر عالمگیری' کے آخری صفحات میں اور نگزیب کے معمولات، اس کی صفات، اس کے اخلاق و کردار اور اس کی اولاد کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

آخر میں یہ عرض اور ہے کہ صاحب نظر مصنف نے اور نگزیب اور اس کے عہد کو زندہ کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی انشاء پر دازی بھی قابل تعریف ہے یعنی یہ کہ طویل واقعات کو اختصار مگر صحت و جامعیت کے ساتھ اس نے خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔

حوالہ:

۱- مثر عالمگیری: محمد ساقی مستعد خاں، ص ۶۶

۲- ایضاً ص ۶۸

۳- ایضاً ص ۲

|     |                 |
|-----|-----------------|
| ۳۔  | ایضاً ص ۱۷۶-۱۷۷ |
| ۵۔  | ایضاً ص ۲۱۷     |
| ۶۔  | ایضاً ص ۳۳۳     |
| ۷۔  | ایضاً ص ۱۳۱     |
| ۸۔  | ایضاً ص ۱۳۲     |
| ۹۔  | ایضاً ص ۱۷۵-۱۷۶ |
| ۱۰۔ | ایضاً ص ۳۷۰     |
| ۱۱۔ | ایضاً ص ۱۷۶     |



آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے  
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،  
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے  
ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884

صدرہ طاہر : 03340120123

حسنین سیالوی : 03056406067

# انڈکس

## آ - ا

|                    |                            |
|--------------------|----------------------------|
| ۱۵                 | آخوند ملا رضا              |
| ۵۷، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۱  | آسام / آشام                |
| ۷۹                 | آعظم خاں                   |
| ۸۴، ۸۳             | آعظم شاہ                   |
| ۴۸                 | آغاز عہد شاہجہانی          |
| ۲۲                 | آگرہ                       |
| ۷۴                 | آمین اکبری                 |
| ۶۴                 | آمینہ بخت                  |
| ۷۱، ۶۰، ۵۳، ۴۸، ۴۵ | ابوالفضل                   |
| ۵۲                 | اجیت سنگھ، درگاداس رائٹھور |
| ۷                  | احوال کشمیر                |
| ۱                  | احمد بیگ اصفہانی           |
| ۲۶                 | احمد نگر                   |
| ۱                  | احسن السیر                 |
| ۷۲                 | احیاء العلوم               |
| ۶۴                 | اخبار الاخبار              |

|                        |                                              |
|------------------------|----------------------------------------------|
| ۳۰                     | اخلاق کریمہ                                  |
| ۷۸، ۶۳                 | ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاه پنجاب، لاہور۔ |
| ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸ | ارادت خاں / ارادت خاں جہانگیری۔              |
| ۵۰، ۱۲                 | اردو و اردو زبان                             |
| ۱                      | ارکان                                        |
| ۹۲، ۹۱                 | اسد خان                                      |
| ۱۶                     | اسلام                                        |
| ۸۲                     | اسلام خاں رومی                               |
| ۷۱                     | اسلام نگر [جام شہر]                          |
| ۱۰                     | اسلامی علوم و فنون                           |
| ۷                      | آشوب ہندوستان                                |
| ۲۵، ۲۴                 | افضل خاں                                     |
| ۸۶، ۶۳، ۶۲، ۲۰، ۱۴     | اکبر / اکبر اعظم                             |
| ۶۸، ۲۶                 | اکبر آباد                                    |
| ۵۳، ۴۷، ۴۵             | اکبر نامہ                                    |
| ۱۷، ۱۳                 | المحسن المتین فی احوال الوزراء والسلاطین     |
| ۷۹                     | الہ آباد                                     |
| ۷                      | امام حسین                                    |
| ۱۶                     | امجد علی شاہ                                 |
| ۹۰                     | امر سنگھ                                     |
| ۲۴، ۲۳                 | امیر الامراء شائستہ خاں                      |
| ۱۶                     | امین الدولہ                                  |

|                                 |                                            |
|---------------------------------|--------------------------------------------|
| ۷                               | انتخاب شاہجہانی                            |
| ۹۰                              | اندر سنگھ ولد راؤ رائے سنگھ نبیرہ امر سنگھ |
| ۱۷                              | انشاء پردازى                               |
| ۲۷                              | اویسکا                                     |
| ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۰، ۹               | اودھ / صوبہ اودھ                           |
| ۲۳                              | اورنگ آباد                                 |
| ۴۹، ۴۷، ۴۳، ۳۰، ۲۳، ۲۱، ۶، ۵، ۱ | اورنگزیب / اورنگزیب عالمگیر                |
| ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۷          |                                            |
| ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵      |                                            |
| ۸۴، ۸۳، ۸۱، ۷۹، ۷۴، ۷۳، ۷۲      |                                            |
| ۹۲، ۹۱، ۸۸، ۸۷، ۸۶              |                                            |
| ۷۱                              | اورنگزیب نامہ                              |
| ۱۴                              | اہل بیت و ائمہ اطہار                       |
| ۷                               | ایام محاصرہ دارالہجہاد                     |
| ۱۳                              | ایشیا نمک سوسائٹی، کلکتہ                   |
| ۲۰، ۱                           | ایشور داس رایشور داس ناگر                  |
| ۶۲، ۶۰، ۴۱                      | ایران                                      |
| ۴۸                              | ایلورا                                     |
| ۶۵، ۴۶                          | ایلیٹ                                      |
| ۲۷                              | ایودھیا                                    |

## ب

|            |                           |
|------------|---------------------------|
| ۱۱         | بادشاہ اودھ، واجد علی شاہ |
| ۶۸         | بادشاہ عباس ثانی          |
| ۷۳، ۵۳     | بادشاہ نامہ               |
| ۱          | بختاور خاں                |
| ۱۸         | بداء الاسلام              |
| ۲۲         | برجھوکن                   |
| ۴۷         | برصغیر ہندوپاک            |
|            | برنیئر [Bernier]          |
| ۲۷، ۲۳، ۲۱ | برہان پور                 |
| ۳، ۱       | برہان الدین               |
| ۱۸         | برہان الملک صمصام الدولہ  |
| ۱۱         | بلگرام                    |
| ۷۲         | بنارس                     |
| ۲۸         | بنگال                     |
| ۶، ۱       | بندرا بن                  |
| ۳۱         | بندیہ                     |
| ۶۲         | بنوامیہ                   |
| ۶۲         | بنو عباس                  |
| ۸۶         | بہادر شاہ ظفر             |

بہادر گڑھ

بہمنی سلطنت

بہشت باغ

بہشتی شیرازی

بھگوت گیتا

بھوشن گڑھ

بھیم سین

۸۲

۲۶

۲۶

۱

۳۵

۱۶

۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰

۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹

۲۸، ۲

۱۶

۸۳، ۸۲

۳۳

بیجا پور

بیت رضواں

بیدار بخت

بیور تچ



پادشاہ نامہ

پٹیاں

پدماوت

پروفیسر حسن عسکری

پروفیسر مولوی شفیع

پروفیسر سرکار

پروفیسر نور الحسن

پریاگ

۲

۳۵

۳۵

۲۷، ۲۵

۳۳

۵۰، ۳۳

۳۲

۲۷

|    |                          |
|----|--------------------------|
| ۳۱ | پریندا                   |
| ۳۵ | پرسامسھا                 |
| ۳۷ | پنجاب                    |
| ۵۰ | پنجاب یونیورسٹی لائبریری |
| ۶۹ | پیرپنجال                 |
| ۵۵ | پیم [پریم] نراین         |

## ت

|        |                       |
|--------|-----------------------|
| ۱۶     | تاریخ اسلام           |
| ۴۱     | تاریخ آشام            |
| ۷۸     | تاریخ ارادت خاں       |
| ۴۵     | تاریخ افغانہ          |
| ۴۵     | تاریخ اکبر شاہی       |
| ۶۳     | تاریخ الفی            |
| ۴۵     | تاریخ بابر            |
| ۱      | تاریخ دلکشا           |
| ۳      | تاریخ شجاع شاہی       |
| ۴۶، ۴۵ | تاریخ شہاب الدین غوری |
| ۴۵     | تاریخ شاہجہانی        |
| ۷۸     | تاریخ عالم            |
| ۴۵     | تاریخ عالمگیری        |

|        |                                 |
|--------|---------------------------------|
| ۳۶، ۳۵ | تاریخ علاء الدین خلجی           |
| ۳۶     | تاریخ فرشته                     |
| ۳۵     | تاریخ فیروز شاہی                |
| ۳۵     | تاریخ کشمیر                     |
| ۷      | تاریخ معنوی توفیق در بیاں کشمیر |
| ۱      | تاریخ نویسی فارسی               |
| ۲      | تحفۃ الاخبار                    |
| ۸۲     | تخت طاؤس                        |
| ۱۲     | ترکی تہذیب                      |
| ۱۵     | تفضل حسین کشمیری                |
| ۱۶     | تلامذہ مولانا سید حسین          |
| ۲      | تواریخ شاہجہانی                 |
| ۹      | تہذیبی ورثہ                     |
| ۳۱، ۲  | تیمور را میر تیمور              |

## ج

|        |            |
|--------|------------|
| ۲      | جامع مفیدی |
| ۸۱     | جان ڈاؤسن  |
| ۱۱     | جائس       |
| ۱۱     | جرول       |
| ۹۰، ۷۰ | جسونت سنگھ |

۶،۲

۱۵

۱۶

۱۵

۸

۸

۸

۸

۸

جکبسون داس رجبیون داس گجراتی

جلوس محمد علی شاہ

جلوس واجد علی شاہ

جلوس وزیر علی خاں

جنگ

جنگ دھرمت

جنگ ساموگر

جنگ دیورا

جنگ کھجواہہ

## چ

۷۲

۴۸، ۴۲، ۲۰

۶۴

۲۰

۴

چشتہ

چندر پر بھان برہمن

چہار آئینہ

چہار چمن

چہبہار

## ح

۷

۴۵

۷، ۲

حاتم خان

حسین خاں افغانی

حقیری کاشانی مؤلف اور نگزیب نامہ

حملہ حیدری

حیدر آباد

۷

۲۸

## خ

خلاصۃ الانشاء

خلاصۃ التواریخ

۴۵

۱، ۶، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹

۵۰، ۴۹

۴۵

۴۵

۵۰

۷۱

۱۱

خلاصۃ السیاق

خلاصۃ المکاتب

خان بہادر ظفر حسن

خواجہ قطب الدین

خیر آباد

## د

دار السلطنت لکھنؤ، دار السلطنت کا پایہ تخت، دار السلطنت کا مرکزی شہر [ملاحظہ ہو لکھنؤ]

داراوتی

۲۷

داراشکوہ

۲۳، ۶۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۷۱

دماجی جادوں

۳۰

درگاداس

۸۹

دریائے برہمپتر

۵۶

دریائے گوتمی

۲۶

۷۹  
۶۷،۳۱  
۵  
۲۲

دکن  
دلیرخان  
دور عالمگیری  
دھول پور

## ط

۵۲،۵۰،۴۸،۴۳  
۵۰  
۵۰

ڈاکٹر آفتاب اصغر  
ڈاکٹر نور الحسن  
ڈھاکہ یونیورسٹی

## ذ

۷  
۸۴،۸۰

ذکر الحسن  
ذوالفقار خان

## ڑ

۴۵  
۴۵  
۴۵  
۷۹،۴۵  
۹۲

راجاوتی  
راج ترنگنی  
راجپوتانہ  
راجہ جسونت سنگھ  
راجہ رام سنگھ

|        |                    |
|--------|--------------------|
| ۵۶     | راجہ مکرم دھوج     |
| ۸۲، ۳۱ | راس کماری          |
| ۴۵     | رامائن             |
| ۶۱     | رامپور             |
| ۶۰     | رامپور رضا لاہنوی  |
| ۳۱     | راؤ دلپت بندیلہ    |
| ۱۶     | رحمانی پریس، دہلی  |
| ۵۵     | رشید حسن خان       |
| ۱۵     | روشن الدولہ        |
| ۵      | روضۃ الطاہرین      |
| ۸۵     | رفیع الشان         |
| ۹۰     | رگھو داس جمالہ     |
| ۸۹     | رگھوناتھ داس بہائی |
| ۲۰     | رگھونندن داس       |
| ۸۹     | رنجھور             |
| ۵۵     | رنگامانی           |
| ۱۵     | روہیلے             |
| ۶۳، ۷  | ریاض الاولیاء      |

## س

|            |                 |
|------------|-----------------|
| ۳۱         | سال جلوس عامگیر |
| ۹۰، ۳۱، ۲۵ | ساھو سانجھا     |

سبحان رائے بنالوی [ملاحظہ ہو منشی سبحان رائے بنالوی]

|                |                                               |
|----------------|-----------------------------------------------|
| ۱۸، ۱۲         | سبحۃ المرجان                                  |
| ۱۷، ۱۵، ۱۴، ۱۳ | سبکۃ الذهب                                    |
| ۲۲             | سرونج                                         |
| ۱۴، ۱۱         | سلاطین اودھ                                   |
| ۸۶             | سلاطین مغلیہ                                  |
| ۶۲             | سلجوقی [خاندان]                               |
| ۱۰             | سلطنت اودھ                                    |
| ۷، ۲           | سلیمان قزوینی                                 |
| ۱۳             | سلون رائے بریلی                               |
| ۱۱             | سنڈیلہ                                        |
| ۸۹             | سوتک                                          |
| ۲۳             | سہر شکوہ                                      |
| ۱۱             | سید العلماء                                   |
| ۱۵، ۱۴         | سید امیر مختار                                |
| ۷۲             | سید شیخ محمد قادری برہان پوری                 |
| ۱۰             | سید عبدالعلی فیض آبادی                        |
| ۱۵، ۱۰         | سید علی اکبر صوفی                             |
| ۱۴             | سید علی المدعو اکھیم سید اکبر شاہ موسوی دہلوی |
| ۱۴             | سید محمد احمد                                 |
| ۱۴             | سید محمد باقر                                 |
| ۱۴             | سید محمد جواد                                 |
| ۲۸             | سید محمد گیسو دراز                            |
| ۲۳             | سید محمود کاظم                                |
| ۱۰             | سید مہدی بن نجف علی                           |

سیلون

۲۹

سیرت

۱۲

سید فیروز

۷۲

## ش

شاه عالم

۸۵،۸۳

شاه محمد شاه آبادی

۳۵

شاه شجاعی

۱

شاه مدار

۷۱

شاهان مغلیه

۶۰،۱

شاه جهان / شهنشاه شاه جهان

۷۰،۶۹،۶۳،۵۴،۴۹،۴۶،۶،۳،۱

۷۹،۷۳

شاه جهان نامه

۲،۱

شاهی افواج

۲۲

شجاع الدوله

۶۶،۱۵،۱۰

شرعی کرشن

۲۷

شمالی هندوستان

۲۲

شبهو ناتھ

۲۲

شهاب الدین غوری

۶

شهاب الدین طالش

۱

شہزادہ شجاع

۸۸

شہزادہ محمد اکبر

۲۵

شہزادہ محمد معظم

۳۲،۲۱

|                        |                                      |
|------------------------|--------------------------------------|
| ۴۵                     | شیخ اللہ داد مر قاضی خاں             |
| ۱                      | شیخ بقاء سہارن پوری                  |
| ۷                      | شیخ رفعت                             |
| ۷۲                     | شیخ صوفی میر قنوجی                   |
| ۲۷                     | شیخ عبد الغفور                       |
| ۳۲                     | شیخ عبد القادر                       |
| ۷۱                     | شیخ عنایت اللہ شیخ عنایت اللہ لاہوری |
| ۷۲                     | شیخ عبد الطیف برہان پوری             |
| ۲۷                     | شیخ محمد خاں                         |
| ۷۲                     | شیخ محمد معصوم ابن شیخ احمد سرہندی   |
| ۷۱                     | شیخ معین الدین چشتی                  |
| ۷۳، ۶۱                 | شیخ نظام رشیخ نظام برہان پوری        |
| ۶۷، ۳۱، ۳۰، ۲۵، ۲۴، ۲۳ | شیواشیوا جی                          |
| ۱۱                     | شیعہ مجتہدین                         |
| ۶۶، ۱۵، ۱۰             | شیوخ اودھ                            |

## ص

|    |                                      |
|----|--------------------------------------|
| ۱  | صادق خان                             |
| ۳۲ | صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری |
| ۱۵ | صفر جنگ                              |
| ۱۰ | صوبہ اودھ                            |

## ض

ضیاء الدین احمد

۶۰

## ط

طراز الاخبار

۷، ۲، ۱

## ظ

ظفر نامہ

۳۵

## ع غ

عاقل خان

عالمگیر [ملاحظہ ہو اورنگزیب عالمگیر]

عالمگیر نامہ

۱

۴، ۷، ۱، ۶، ۵، ۶، ۶، ۶

۷، ۶، ۰، ۷، ۷، ۸، ۸

۵

۱۳

۸۰

۷

عالمگیری تاریخ

عباس مرزا ابن سعید احمد حسینی ابن محمود کاظم

عبداللہ خان بارہہ

عبدالشکور بن عبدالواسع شمشوی

|            |                                          |
|------------|------------------------------------------|
| ۷۳         | عبد اللطیف / عبد اللطیف سہارنپوری        |
| ۷۳         | عبد العزیز اکبر آبادی                    |
| ۶۰         | عبد القادر بدایونی                       |
| ۶۱         | عبد القوی                                |
| ۴۶         | عبد المقتدر                              |
| ۱۳         | عجمی تہذیب                               |
| ۶۵         | عدالت گاہ                                |
| ۱۹، ۱۳، ۱۲ | عربی تاریخ نگاری                         |
| ۱۹         | عربی شاعری                               |
| ۱۹         | عربی شعراء                               |
| ۱۵         | علامہ تفضل حسین کشمیری                   |
| ۹۱، ۷      | عراقی و عربی گھوڑے                       |
| ۱۳         | عرفی شیرازی                              |
| ۷۲         | عطاریہ                                   |
| ۱۸، ۱۱     | علامہ سید دلدار علی غفر آفتاب نصیر آبادی |
| ۱۱         | علامہ عبد العلی بحر العلوم               |
| ۶۳         | علماء قدیم                               |
| ۱۳         | علم رجال                                 |
| ۱۱         | علوم دینیہ                               |
| ۱۳         | علوم شرعیہ                               |
| ۱۳، ۱۱     | علوم عقلیہ                               |
| ۳، ۱       | عمل صالح                                 |
| ۸۶         | عنایت اللہ خاں                           |
| ۲۳         | عزرجشی                                   |

عہد

- اورنگزیب

- اسلامی

- جہانگیری

- شاہجہاں

- عالمگیری / عالمگیری عہد

- گورگانیاں

- مغلیہ

- وسطی

غلام رسول مہر

۸۶، ۷۳، ۷۳، ۷۳، ۵۳، ۴۹، ۳۳

۴۷

۷۳

۷۳

۸۸، ۸، ۵، ۴، ۱

۴

۷۸، ۱۲

۴۷، ۴۳، ۴۲

۷۸

## ف

فتح گولکنڈہ

فتحیہ عبرت

فتحہ مکہ

فتوحات عالمگیری

فرخ سیر

فرنگی محل

فیض آباد

۸۸

۵۴، ۵۳

۱۶

۱

۷۹

۱۱

۱۰

# ق

|    |                    |
|----|--------------------|
| ۷۳ | قاضی حسین جو پوری  |
| ۵۶ | قبالہ              |
| ۳۱ | قرآن               |
| ۲۶ | قطب شاہی           |
| ۱۰ | قرون وسطیٰ         |
| ۷  | قصہ سلاطین متقدمین |
| ۳۱ | قلعہ بیدر          |
| ۲۶ | قلعہ گوالیار       |
| ۱  | قلعہ قنوج          |

# ک

|    |                   |
|----|-------------------|
| ۸۹ | کابل              |
| ۲۷ | کاشی              |
| ۱۱ | کاکوری            |
| ۲۷ | کاپچی             |
| ۳۲ | کالیستھ اور کھتری |
| ۶۱ | کھجوا             |
| ۲۸ | کرناٹک            |
| ۷۹ | کشمیر             |

|    |                                 |
|----|---------------------------------|
| ۲۵ | کلیم بخت                        |
| ۱۱ | کثور                            |
| ۸۹ | کنور کشن سنگھ ولد راجہ رام سنگھ |
| ۵۵ | کوچ بہار                        |
| ۵۵ | کھوکھرہ                         |
| ۲۰ | کیول رام                        |

## گ

|        |                   |
|--------|-------------------|
| ۷۹، ۷۸ | گجرات             |
| ۲۸     | گلبرگ             |
| ۸      | گوکلنڈہ           |
| ۲۸     | گوالیار           |
| ۵۵     | گوبائی            |
| ۱۱     | گوپامو            |
| ۵۵     | گھوڑی گھاٹ        |
| ۵      | گیارہویں صدی ہجری |

## ل

|        |          |
|--------|----------|
| ۸۵     | لال کنور |
| ۱۱     | لاہر پور |
| ۸۹، ۴۷ | لاہور    |

|            |                     |
|------------|---------------------|
| ۵۰         | لاہور پبلک لائبریری |
| ۶          | لب التوارخ          |
| ۱۵، ۱۱، ۱۰ | لکھنؤ               |
| ۵۶         | لوٹہ چماری          |

## م

|                               |                              |
|-------------------------------|------------------------------|
| ۷                             | ماثر اقبال                   |
| ۷۹، ۶۵                        | ماثر الامراء                 |
| ۶۵                            | ماثر الکرام                  |
| ۹۲، ۹۱، ۸۷، ۸۶، ۷۰، ۶۹، ۶۳، ۵ | ماثر عالمگیری                |
| ۲۸                            | مالی وار [مالا بار]          |
| ۷۹، ۷۸، ۱                     | مبارک اللہ / مبارک اللہ واضح |
| ۲۷، ۲۲                        | متھرا                        |
| ۷۳                            | مثنوی مولانا روم             |
| ۷۳                            | محمد آباد                    |
| ۶۵، ۴                         | محمد بقاء سہارنپوری          |
| ۸۲                            | محمد بیدار بخت / بیدار بخت   |
| ۶۵                            | محمد رضا                     |
| ۶                             | محمد ساقی                    |
| ۱۵                            | محمد شاہ                     |
| ۶۵                            | محمد شفیع                    |
| ۴۸، ۴، ۱                      | محمد صالح کنہوہ لاہوری       |
| ۱۳                            | محمد علی بادشاہ              |

|                                        |                                                                            |
|----------------------------------------|----------------------------------------------------------------------------|
| ۱۰                                     | مغل سلطنت                                                                  |
| ۳۳، ۲۱                                 | مغل حکومت                                                                  |
| ۳۹، ۲۱                                 | مغل دور                                                                    |
| ۶۰                                     | مغل عہد                                                                    |
| ۸۸، ۸۷، ۲۱                             | محمد کاظم رحمہ کاظم شوستری / میرزا محمد کاظم                               |
| ۶۸                                     | محمد ماہ النجابتی                                                          |
| ۸۸، ۷۱                                 | محمد مراد بخش / مراد بخش                                                   |
| ۱                                      | محمد معصوم                                                                 |
| ۵۳                                     | محمد ولی                                                                   |
| ۶                                      | محمد ہاشم خوانی خاں                                                        |
| ۲                                      | محمد یانی                                                                  |
| ۷                                      | محمد یزاری امی                                                             |
| ۷۳                                     | محمی الدین عرف ملا مومن                                                    |
|                                        | محمی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر [ ملاحظہ ہو اورنگزیب / اورنگزیب عالمگیر ] |
| ۹۰                                     | مدن سنگھ                                                                   |
| ۹                                      | مذہبی زبان                                                                 |
| ۱                                      | مرآة جہانما                                                                |
| ۷۳، ۷۰، ۶۹، ۶۷، ۶۵، ۶۳، ۶۱، ۶۰، ۵۰، ۴۱ | مرآة عالم                                                                  |
| ۵۵                                     | مر قنضی داروغہ                                                             |
| ۲۷                                     | مر قنضی نظام شاہ / بن حسن نظام شاہ                                         |
| ۶۷، ۲۵، ۷۳                             | مرہٹہ / مرہٹا                                                              |
| ۷۹، ۷۸                                 | مرزا قوام الدین جعفر بیگ قزوینی                                            |
| ۳۱                                     | مرزا رجب جے سنگھ                                                           |
| ۵                                      | مسلم مورخین                                                                |

|                      |                        |                                                                            |                               |
|----------------------|------------------------|----------------------------------------------------------------------------|-------------------------------|
| ۳۷                   | ۸۸، ۸۷، ۶۹، ۶۴، ۶۲، ۳۱ | مسلم عہد کی تاریخ                                                          | مستعد خان محمد ساقی مستعد خاں |
| ۳۲                   |                        | مشرقی توپخانہ صوبات دکن                                                    |                               |
| ۱۰                   |                        | مشرقی تہذیب و تمدن                                                         |                               |
| ۳۲                   |                        | معروضی نقطہ نگاہ                                                           |                               |
| ۸۵، ۸۰               |                        | معز الدین جہاندار شاہ                                                      |                               |
| ۷۹                   |                        | مفتخر خان                                                                  |                               |
| ۱۱                   |                        | مفتی محمد عباس                                                             |                               |
| ۷                    |                        | ملا توفیق کشمیری                                                           |                               |
| ۷۳                   |                        | ملا حامد جوہپوری                                                           |                               |
| ۷                    |                        | ملا صفی غزوینی                                                             |                               |
| ۷۳                   |                        | ملا محمد اکرم                                                              |                               |
| ۷۹                   |                        | ملا ملتفت خاں                                                              |                               |
| ۱۱                   |                        | ملا نظام الدین سہالوی                                                      |                               |
| ۱۱                   |                        | ملک العلماء مولانا علاء الدین                                              |                               |
| ۱۵                   |                        | ملکہ وکنوریہ                                                               |                               |
| ۷۳، ۵۳، ۶، ۵، ۲      |                        | منتخب التواریخ                                                             |                               |
| ۳۹، ۳۸، ۳۱، ۲۰، ۶، ۲ |                        | منشی سبحان رائے بٹالوی                                                     |                               |
| ۶۱                   |                        | منشی محمد کاظم ابن محمد امین                                               |                               |
| ۱۰                   |                        | مولانا حقانی حنفی                                                          |                               |
| ۱۰                   |                        | مولانا حیدر علی                                                            |                               |
| ۱۶                   |                        | مولانا سید حسین                                                            |                               |
|                      |                        | مولانا سید ولد ارغفر آرماب (ملاحظہ ہو علامہ سید ولد ارغفر آرماب نصیر آبادی |                               |
| ۱۸، ۱۶               |                        | مولانا شبلی [نعمانی]                                                       |                               |

۷۳

۱۲

۱۸

۳۵

۱۱

۱۵

۳۵

۲۲

۱۵

۷۹

۱۶

۱۲

۷۹

۱

۵۰

۲۱

۷۳

۱۶

مولانا عبداللہ ابن ملا عبدالکلیم سیالکوٹی

مولانا عبداللہ

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی

مولانا غنصری

مولانا ناصر حسین صاحب عبقیات

مولوی نجف علی

مہا بھارت

مہاراجہ جسونت سنگھ

مہدی علی خاں

میر اسحاق

میر انیس

میر محمد امین فیثا پوری برہان الملک

میر محمد باقر شاہ [ایرانی]

میر محمد مصوم

میر شیر علی افسوس

میر عبدالمعجود بخش

میر ہاشم کیلانوی

میمونہ سلطان شاہ بانو

## ن

۱۳

۲۷

نادر مرزا

ناسک

نسیہ دلکشا

|        |                               |
|--------|-------------------------------|
| ۱۵     | نصر اللہ مرزا                 |
| ۲۶     | نظام شاہی                     |
| ۵۳     | نظام الدین احمد               |
| ۳۶     | نظام الدین ہروی               |
| ۲۳     | نظام الملک                    |
| ۸۰۱    | نعمت خان عالی                 |
| ۷۲     | نقشبندیہ                      |
| ۶۵     | نماز جنازہ                    |
| ۱۵     | نواب برہان الملک              |
| ۱۳     | نواب سعادت علی خاں            |
| ۸۶     | نواب عنایت اللہ خاں           |
| ۱۳، ۱۳ | نوابین اودھ                   |
| ۲۰۱    | نور الدین / نور الدین جہانگیر |
| ۱۲     | نزہۃ الخواطر                  |
| ۵۶     | نہر عظمیٰ یعنی بناس           |

## و

|               |                     |
|---------------|---------------------|
| ۱۰            | واجد علی شاہ        |
| ۷۰، ۱         | واقعات عالمگیری     |
| ۲۷            | ورنداون             |
| ۸۶، ۷۰، ۸۰، ۱ | وقائع نعمت خان عالی |
| ۱۶            | ولادت رسول          |
| ۱۶            | ولید کا قبول اسلام  |

# ہ م ی

|                                           |                                    |
|-------------------------------------------|------------------------------------|
| ۳۷                                        | ید ہشتر                            |
| ۳۵                                        | ہری ہنش                            |
| ۲۸                                        | ہولی                               |
| ۹                                         | ہند کی مادری زبان                  |
| ۳۸                                        | ہند و انشاء پرداز                  |
| ۷۶، ۷۲، ۶۸، ۶۰، ۴۷، ۳۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۰، ۹ | ہندوستان                           |
| ۳۲                                        | ہندوستان کی قدیم جغرافیہ اور تاریخ |
| ۳۳                                        | ہندوستانی اور یورپیین مؤرخین       |
| ۳۲                                        | ہندوستانی فارسی تاریخ              |
| ۲۰                                        | ہندو کا کستھ قوم                   |
| ۳۵                                        | ہندو مسلم اتحاد                    |
| ۲۷                                        | ہندو معابد                         |
| ۳۵                                        | یوسف زئی                           |
| ۳۵                                        | یوگ و ششٹ                          |

